خصوصی شمارہ

"سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

دینی | اصلاحی | فکری | علمی

ماہنامہ

شاہراہِ علم

جامعہ کا پیغام ملتِ اسلامیہ کے نام

فروری ۲۰۱۴ء ربیع الاول۔ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ

۱ اسباب نصرت وہزیمت سیرت کی روشنی میں

۲ ولادت ونسب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳ شمائل واخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۴ معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۵ فضائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

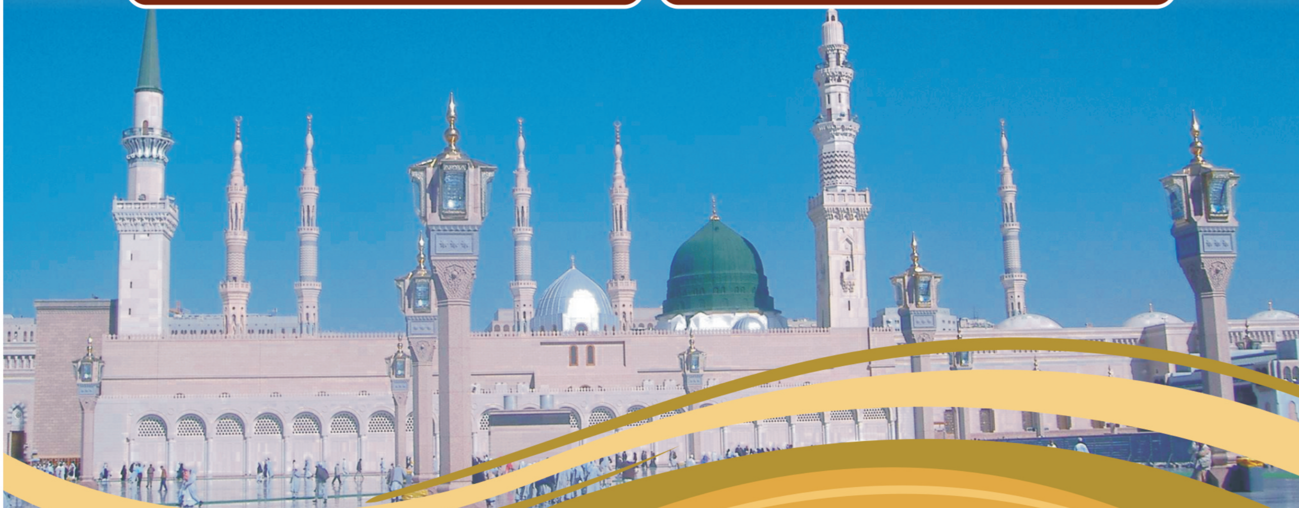
۶ ادعیہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۷ اولاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۸ سیرت نبوی ماہ وسال کے آئینہ میں....وغیرہ

زیر سرپرستی
حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ العالی

مدیر
حذیفہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی



جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر ۴۲۵۴۱۵



"SHAH-RAHE-ILM"

NEWS Peper Regd.No.-MAH/URDU/2011- 40293

REGD. POST NO.- BSL-105/2013-15 Valid upto- 31-12-2015

Posted at H.P.O.- BHUSAVAL on 25th day of every Month







مجلّہ کے اہداف ومقاصد

☆ ......اسلام کی صاف ستھری تصویر پیش کرنا۔

☆ ......مسلمانوں میں دینی بیداری پیدا کرنا۔

☆ ...... حالاتِ حاضرہ سے امت کو واقف کرنا۔

☆ ......مسلمانوں کے احوال پر روشنی ڈال کر ان کی صحیح رہنمائی کرنا۔

☆ ......اسلام کی حقانیت اور ابدیت کو دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کرنا۔

☆ ......مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کا جذبہ پیدا کرنا۔

☆ ......امت کے نوجوانوں کو نت نئے فتنے اور چیلنجز سے نپٹنے کی راہیں دکھانا۔

☆ ......امت کو بدعات وخرافات سے بچنے کی تلقین کرنا اور احیاءِ سنت کی طرف راغب کرنا۔

☆ ...... مسلم معاشرہ کو افراط وتفریط سے دور رکھنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت دینا۔

☆ ......اہلِ سنت والجماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے عصری اسلوب میں دعوتِ فکر وعمل دینا۔

☆ ...... امت کو جامعہ کی دینی وملی خدمات سے واقف کرانا۔

دفتر شاہراہِ علم 9011958392

SHAHRAH-E-ILM, Monthly (Urdu) Printed,

Publisher : Owner & Editor By : Huzaifa Gulam Mohammad Randera

Published From : Jamia Quarter, Jamia Nagar, Akkalkuwa, Nandurbar (MS) 425415

E-mail: shahraheilmmagazine@gmail.com, huzaifa.vastanwi@gmail.com

Designed By : Kaghzi Printers, 9860122303

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ)

ماھنامہ

”شاہراہِ علم“

(جامعہ کا پیغام ملتِ اسلامیہ کے نام)

زیر سرپرستی

حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ العالی

مدیر: حذیفہ مولانا غلام محمد وستانوی

جلد	:	۳
شمارہ نمبر	:	۲
ماہ	:	ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۵/ فروری ۲۰۱۴ء
زرِتعاون	:	سالانہ ۱۵۰/روپئے۔

ترسیل زر کا پتہ

”دفترِ شاہراہِ علم“

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ضلع نندوربار، مہاراشٹر، ۴۲۵۴۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر شمار	فہرست	صفحہ
۱	**اداریہ**......حذیفہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی	۴
۲	رسول اللہ ﷺ کی ولادت، نسب نامہ اور مختصر حالات......	۳۹
۳	آپ ﷺ کے بعض شمائل، اخلاق اور عادات......	۶۴
۴	حضور ﷺ کے بعض معجزات......	۸۲
۵	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصوصیات......	۹۲
۶	حضور شفیع المذنبین ﷺ کے بعض فضائل......	۹۶
۷	حضور اکرم ﷺ کی دعائیں......	۱۰۳
۸	شجرۂ طیبہ......	۱۰۷
۹	حضور ﷺ کی اولاد......	۱۲۶
۱۰	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلحہ......	۱۳۵
۱۱	نقشہ حالاتِ نکاح و عمر حضور ﷺ و امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن......	۱۴۱
۱۲	نقشہ عمود نسب نبوی و انساب امہات المؤمنین کا اتصال......	۱۴۲
۱۳	سیرتِ نبوی ﷺ ماہ و سال کے آئینے میں......	۱۴۷

نوٹ: ماہنامہ ''شاہراہ علم'' مدیر و ایڈیٹر مولانا محمد حذیفہ غلام محمد وستانوی صاحب رندیرا'' جامعہ کوارٹر جامعہ نگر اکل کوا''
نے ہمدم پریس مالیگاؤں سے طبع کروا کر دفترِ شاہراہ علم سے شائع کیا۔

...... کمپوزنگ وسیٹنگ: رفیق احمد اشاعتی کٹیہاری/محمد سبحان ارریاوی اشاعتی ......

ضروری ہدایت

ماہنامہ ''**شاہراہِ علم**'' مہینہ شروع ہونے سے پانچ روز قبل گزشتہ مہینہ کی ۲۵؍تاریخ کو ہی روانہ کر دیا جاتا ہے، تاکہ پہلے عشرے تک موصول ہو سکے۔ لہٰذا ۱۰؍تاریخ تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اپنے مقامی ڈاک خانہ میں تحقیق وکارروائی کریں، اور دو تین روز مزید انتظار کے بعد بھی دستیاب نہ ہو، تو دفتر شاہراہ علم کے نمبر پر رابطہ کریں۔ انشاء اللہ آپ کی شکایت دور کی جائے گی اور دوبارہ رسالہ روانہ کیا جائیگا۔

نوٹ : جن خریدار کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے اور وہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے منی آرڈر روانہ کرتے ہیں تو اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اور نئے ممبران مکمل پتہ اور جدید خریدار لکھنا نہ بھولیں۔

ترسیل زر کے لیے ذیل میں دئے گئے پتہ پر E.MO یا اس کی سہولت نہ ہونے کی صورت میں سادہ منی آرڈر کریں اور بذریعہ فون منی آرڈر کرتے ہی اطلاع کردیں۔

رابطہ اور ترسیل زر کے لیے

Office: Shahrah-e-Ilm

Jamia Islamia Isha'atul Uloom Akkalkuwa Nandurbar (M.S.) Pin. 425415

Email: shahraheilmmagazine@gmail.com

PH: 02567-252256-252356 Mb. 9011958392

اداریہ:

اسباب نصرت وہزیمت سیرت کی روشنی میں مع برکات نبوت

مولانا حذیفہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَا تَّبِعُوْ نِی يُحْبِبْكُمُ اللّٰه﴾ (آل عمران:۳۱)

''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔''

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک'' **والذی نفسی بیده لا یؤ من احدکم حتی اکو ن احب الیه من والده وولده.**'' (عن ابی هریره رضی الله عنه ، اخرجه النسائیؒ) ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص بھی، اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے اپنے باپ اور بیٹے سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

مذکورہ آیت اور حدیث سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمان کی کامیابی کا راز اطاعت رسول میں مضمر ہے۔

مگر ہمارے لیے بڑے افسوس کا مقام ہے کہ، ہم زبان وبیان سے تو عشقِ رسول کے راگ الاپتے رہتے ہیں، حب رسول کے نعرے مارتے ہیں؛ مگر عملی میدان میں اور محبت قلبی کے اعتبار سے، ہم حب رسول سے کوسوں دور ہو چکے ہیں، صرف زبان خرچی کے طور پر دعویٔ عشق رسول ہے، ورنہ ہمارے اطوار اور ہمارا لباس ہمارے اخلاق، ہماری معاشرت، ہماری تجارت، ہمارے معاملات، ہماری سیاست، ہماری تعلیم وتربیت غرضیکہ زندگی کے تمام شعبوں سے ہم نے سنت نبویؐ کا جنازہ نکال دیا ہے، بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے معاشرہ کا جدید تعلیم یافتہ اور جاہل تو جاہل، اب عالم طبقہ بھی سنت رسول پر عمل کرنے والوں کو اجنبی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور ان کے ساتھ اجنبی سلوک کرتا ہے۔ **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُون ، ولا حول ولا قو ة الا بالله العلی العظیم.**

یہ بات جان لینی چاہیے کہ ہماری اس ابتر صورتِ حال کی اصل وجہ سیر نبویہ سے عملی انحراف ہے، دنیا جو اس وقت فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بھلائی

اور دنیوی واخروی کامیابی کے تمام راستے بتلائے ،مگر آج ہم نے اس کوترک کردیا جس کی وجہ سے خباثت اور برائی عام ہوگئی ، اور ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ،ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدوہ اورآئیڈیل کے بنانے کا حکم تھا،مگر ہم نے معاشرہ میں برائی پھیلانے والوں کوقدوہ بنالیا، ناچ گانے اور کھیل کود کا پیشہ اختیار کرنے والوں کو رہبر بنالیا؛اس طرح معاشرہ داعیانِ شر کا دلدادہ بن گیا!!!

آج جب دنیامیں روحانی وجسمانی ظاہری و باطنی ہرطرح کا امن، غارت ہو چکا ہے؛ تب جا کر دنیا کا ہر شخص ان حالات سے بچنا چاہتا ہےاور کوئی ایسی سبیل کی جستجو میں ہے،جس کواختیار کر کے وہ سکون حاصل کر سکے، اور سکون فسق وفجور، لادینیت ونفاق کے دلدل سے خلاصی حاصل کیے بغیر ممکن نہیں،اور اسکی خلاصی کا ایک ہی راستہ ہے،اور وہ ہے''تعلیمات نبویہ'' پر عمل درآمد۔

ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے صرف دنیا ہی کی فلاح نہیں حاصل ہوسکتی؛ بلکہ آخرت اور حساب کے مصائب اورعذاب ٹل جائیں گے قیامت کے ہولناک عالم میں بھی جب کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، نفسی نفسی کا عالم ہوگا، بھائی بھائی کو دیکھ کر، بیٹا باپ اور ماں کو دیکھ کر،شوہر بیوی کو دیکھ کر راہ فرار اختیار کریگا،گویا اطاعتِ رسول قبل الموت اور بعدالموت آفات، بلیات اورعذاب سے نجات کا اکسیر نسخہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سےلیکر خاتم الانبیاء والمرسلین ،احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک؛ جو انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت عمل میں آئی ، وہ اسی لیےتو آئی کہ اللہ نے انسان کو بہت ساری خوبیوں سےنوازا ہے،مگر ساتھ ہی کچھ ایسے محرکات دنیا میں کارفرما کرر کھے ہیں،جس کےسبب انسان کی اللہ کی جانب سے عطا کردہ یہ خوبیاں بدون محنت اور مجاہدہ ظاہر نہیں ہو پاتی؛ بلکہ محرکاتِ شر کی وجہ سےاسی کی ہوکر رہ جاتی ہیں،اور یہ اس لیے کہ انسان کی تخلیق منجانب اللہ آزمائش کے لیے ہوئی ہے،اور وہ مقصد ابتلاء محرکاتِ شر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تھا؛ لہٰذا ایک طرف تو اسے عقلِ وافر عطا کی ،دوسری طرف اسے نفس لوامہ دیا،ایک طرف محرکِ شر شیطان کو پیدا کیا،دوسری طرف داعی خیر انبیاء کومبعوث کیا،اوراب اسے خیر وشر کی درمیان اپنی عقل اور علم کے ساتھ چھوڑ کر اختیار دے دیا﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ ''جوچاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کو اختیار کرے''اور دونوں کے انجام بھی انبیاء پر بواسطۂ وحی واضح کر دیے کہ،اگر خیر اختیار کریگا تو اللہ کی رضا اور جنت،اور اگر شر اختیار کریگا تو اپنے خالق و مالک رب ذوالجلال والاکرام کا غضب ناراضگی اور جہنم کی صورت میں جزاء وسزاء کا مستحق ٹھہریگا۔

معلوم ہوا کہ اللہ نے انسان پر نبوت کے ذریعہ اپنی حجت تام کر دی ہے، اب انسان کی کوئی بہانہ بازی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اللہ نے اسی حجت تامہ کے بارے میں واضح ارشاد فرمایا﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾(النساء : ١٦٥)

''بھیجے خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کا اللہ پر الزام کا موقع رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست حکمت والا۔''

پیغمبروں کی بعثت کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو برابر بھیجا کہ مؤمنوں کو خوشخبری سنائیں اور کافروں کو ڈرائیں تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن اس عذر کی جگہ نہ رہے کہ ہم کو تیری مرضی اور غیر مرضی معلوم نہ تھی، معلوم ہوتی تو ضرور اس پر چلتے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو معجزے دے کر بھیجا اور پیغمبروں نے راہ حق بتلائی تو اب دین حق کے قبول کرنے میں کسی کا کوئی عذر نہ سنا جا سکتا۔ وحی الٰہی ایسی قطعی حجت ہے کہ اس کے روبرو کوئی حجت نہیں چل سکتی، بلکہ سب حجتیں قطع ہو جاتی ہیں، اور یہ اللہ کی حکمت اور تدبیر ہے اور زبردستی کرے تو کون روک سکتا ہے، مگر اس کو پسند نہیں۔ (گلدستۂ تفاسیر ۲/ ۲۱۷ بحوالہ تفسیر عثمانی)

ہمیں اس بات کا ادراک کر لینا چاہیے کہ، ہماری تمام بیماریوں کا علاج ''اتباع منہج نبوت'' میں ہے وہی ہماری کامیابی کی شاہ کلید ہے۔ ''نبوت'' ہی وہ مؤثر ذریعہ ہے، جس نے ماضی میں بھی بد سے بدتر حالات میں انسانوں کی صحیح رہنمائی کی اور دنیا میں امن وامان کی فضائیں قائم کی۔ انسانوں کو جسمانی وروحانی سکون کی عظیم نعمت سے مالا مال کیا، انسان کو زندگی کا مقصد سمجھایا، انسان کا اپنے خالق و مالک سے رشتہ جوڑنے اور خود آپس میں ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کیسا ہمدردانہ تعلق ہو؛ بلکہ انسان دیگر مخلوق کے ساتھ بھی کیسے رہے یہ سب ''نبوت'' کے ذریعہ بتلایا گیا۔

آج مغرب نے مسلمانوں کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ عالمِ انسانیت کے ساتھ سب سے بدتر جو کھیل کھیلا ہے، وہ یہ کہ انسان کی زندگی کے تمام شعبوں سے آزادی کے نام پر دین اور خالق حقیقی سے ناطہ توڑ دیا، سیکولرزم اور کمیونزم کو عام کر کے عقیدۂ توحید کی بنیاد ڈھادی، بلکہ کسی بھی طرح کے مذہب کو زندگی سے جدا کر دیا، نظریہ ارتقاء کے ذریعہ خالق کائنات کے عقیدہ کو ڈھادیا، نظریہ جنسیت کے ذریعہ انسان کے مقصد حیات ''عبادتِ الٰہ واحد'' کو

ختم کر کے شہوت رانی کو مقصدِ حیاتِ انسانی ٹھہرادیا، آخرت کو فراموش کر کے صرف دنیا میں عیش وعشرت کی زندگی کو ترجیح دینے کے لیے مادہ پرستی کو فروغ دیا، علوم وحی سے انسان کو کاٹنے کے لیے نیچریت کو فروغ دیا، اور نیچریت کی جڑ کو مزید پختہ کرنے، اور علوم وحی سے کلی انقطاع کے لیے ایجابیت، نتائجیت اورافادیت پسندی کو زور وشور سے فروغ دیا، سیاست سے دین کو کاٹنے کے لیے جمہوریت کا شور برپا کیا، معیشت سے دین کو کاٹنے کے لیے، سرمایہ داریت اوراشتراکیت اوراب مخلوط نظام معیشت کو فروغ دیا جارہا ہے۔

امت مسلمہ کو علماء اور مسجد سے کاٹنے کے لیے، یہ سب خوفناک اور ایمان سوز سازشیں ہیں، اسی لیے اکبرالہ آبادی فرماتے ہیں ۔

چھوڑ لٹر یچر کو اپنی ہسٹری بھول جا شیخ ومسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ کھا ڈبل روٹی کلر کی خوشی سے پھول جا

علوم وحی سے مسلمان کا دور ہونا کیسا جرم ہے اسے علامہ اقبال کہتے ہیں ۔

مشرق کے خداوند سفیدان فرنگی مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم حد ان کے کمالات کی برق و بخارات

غرضیکہ "منہج نبوت" سے روگردانی ہمارے لیے موت حقیقی سے بدتر موت ہے کہ، جہاں امت زندہ رہ کر بھی مردہ ہے، کیونکہ اس کی کوئی وقعت ہی نہیں، اور مغربی تہذیب کی اندھی تقلید ہمارے لیے سوائے منہج نبوی سے روگردانی اوراپنی موت آپ کے اور کچھ نہیں

تہذیب فرنگی ، اگر مرگ امم
ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت

بہر حل اس وقت امت کو "نبوت محمدیہ" کی اہمیت کو سمجھنے کی سخت ضرورت ہے، "منہج نبوت" سلف صالحین کی تعلیمات وتحقیقات کے آئینہ میں یہی سب سے زیادہ اہم ہے۔

برکات نبوت

مذکورہ ہمہ گیر مغربی نظریات نے مسلمانوں میں سب سے بڑا، جو نقصان پیدا کیا وہ ہے "نبوت، منہج نبوت، علوم وحی" سے امت کو دور کردیا اورامت برکات نبوت سے محروم ہوگئی، دکتور صالح احمد رضا کی کتاب " انہا النبوة "

جو سیرت پر ایک انمول کتاب ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ، میں نے اس کتاب کا نام" انهــا الـنبـو ۃ " کیوں تجویز کیا ؟

"فتح مکہ اسلامی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے، فتح مکہ کے دن اسلام اپنی تمام شان وشوکت کے ساتھ اس زمانہ کی سپر پاور طاقت قریش کے سامنے جلوہ گر ہوا، اور اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت اور دبدبہ نے قریش کو، جو اشرف العرب تھے، مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔ مسلمان پوری آن، شان اور بان کے ساتھ اسی مکہ میں داخل ہوئے تھے، جہاں سے انہیں دس سال قبل زبردستی نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا، انہیں ظلم کی چکی میں پیسا گیا تھا، اور حکم ہجرت الی المدینہ کی صورت میں مدینہ جانے سے بھی روکنے کے بھرپور اقدامات کیے گیے تھے؛ تاکہ اسلام اور مسلمان مظلومیت میں جکڑے رہیں اور انہیں پھلنے اور پھولنے کا موقع نہ ملے، مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے، وہی بچارے ظلم کے مارے مسلمان آج باوقار انداز میں اور فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہو رہے تھے؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دس ہزار سے زائد افراد پر مشتمل لشکر" الفا تحو ن الر حما ء "رحم دل فاتحین کا ایک نیا باب رقم کرنے جا رہے تھے، اور دنیا کے فاتحین کی اس طرز عمل کو یکسر تبدیل کر رہے تھے، جو عام طور پر تاریخ بشر میں ہوتا چلا آ رہا تھا، جس کو قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر کیا ہے:

﴿ اِنَّ الْـمُـلُـو کَ اِذَا دَخَـلُـو ا قَـرْيَةً اَفْسَدُواهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّ ةَ اَهْلِهَا وَ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴾ (النمل : ۳۴)

بلقیس نے کہا کہ یقیناً بادشاہ لوگ، جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں؛ تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت دار لوگوں کو ذلت سے دوچار کر دیتے ہیں، یہ ایسے موقع پر نبوت کے حامل، جیش اسلامی کے روح رواں اور قائد، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ﴿لَا تَثْـرِ يْـبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُو ا فانتم الطلقاء﴾ حرم کی اہل مکہ سے کھچا کھچ بھرا ہوتھا، ان میں وہ لوگ بڑی تعداد میں تھے؛ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچائی تھی، ذہنی اذیت بھی اور جسمانی اذیت بھی؛ بلکہ اذیت کی کسی قسم کو نہیں چھوڑا تھا، مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ، آج تمہارا کوئی مواخذہ نہ ہوگا، تم جاؤ سب معاف کر دیے گئے ہو۔ کیا دنیا کی تاریخ ایسے عظیم فاتح کی ایک مثال بھی پیش کر سکتی ہے؟

اس موقع پر برکات نبوت کے ظہور اور اس کے احساس کا ایک واقعہ بہت مناسب ہوگا، ہم اسے پڑھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی، ابوسفیان حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی وساطت سے اسلام میں داخل ہو گئے، جب انہوں نے کلمہ پڑھ لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمّ محترم حضرت عباسؓ سے کہا ہمارے لشکر کے مکہ میں داخل ہونے سے قبل، تم ابوسفیان کولیکر مکہ چلے جاؤ اور مکہ میں داخل ہونے سے پہلے کسی پہاڑی کے پاس؛ جہاں تنگ وادی میں رستہ ہوا ابوسفیان کولیکر کھڑے رہو، تا کہ وہ اسلامی لشکر کی شان وشوکت کا مشاہدہ کر سکے، بس حکم رسول کی تعمیل میں سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابوسفیان کولیکر چلدیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ابوسفیان کولیکر ایک تنگ راستہ پر کھڑے ہو گئے، حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ، ایک ایک کر کے مختلف قبائل کے فوجی دستے مکہ میں داخل ہونے لگے، اور ہمارے پاس سے گزرنے لگے، جب بھی کوئی فوجی دستہ گزرتا تو ابوسفیان مجھ سے سوال کرتے من ھذہ؟ یہ کون لوگ ہیں؟ اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ تو میں قبیلہ کا نام لیتا تھا، جب قبیلہ سلیم ہمارے پاس سے گزرا، تو سوال کیا کہ عباس یہ کون لوگ ہیں، میں نے کہا بنوسلیم ہیں، تو ابوسفیان نے کہا، ما لی و لبنی سلیم، مجھے بنوسلیم سے کیا مطلب؛ اس کے بعد بنوخزیمہ گزرے، تو میں نے کہا بنوخزیمہ، تو کہا مجھے بنوخزیمہ سے کیا لینا دینا، اسی طرح تمام دستے یکے بعد دیگرے گزرتے گئے اور میں ان کے نام بتلا تا رہا اور ابوسفیان اپنے قریشی شرف میں استغنا کا اظہار کرتے؛ یہاں تک کہ اخیر میں، وہ دستہ گزرنے لگا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انصار ومہاجرین جا نثاروں کے ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ہتھیاروں سے لیث صحابہ کے اس دستہ کا جب گزر ہوا، تو سوائے سورج کی روشنی میں ہتھیاروں کے چمکنے کے اور کچھ بھی نہیں سجھائی دے رہا تھا؛ ایسی تیز روشنی تھی کہ دیکھنے والا دیکھ کر مبہوت ہو جاتا اور ابوسفیان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا؛ تو وہ تعجب اور حیرت سے کہنے لگے کہ، عباس سبحان اللہ یہ کون لوگ ہیں، جو اتنے زیادہ ہتھیاروں سے لیث ہیں، میں نے کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مہاجرین اور انصار کی معیت میں؛ <u>تو ابوسفیان نے کہا ان کے سامنے تو کوئی نہیں ٹک سکتا، اور کس میں طاقت؟ کہ، وہ ان کا مقابلہ کر سکے اور پھر وہی اپنے قریشی تفاخر کے انداز میں کہا: اے ابوالفضل خدائے پاک کی قسم، تمہارے بھتیجہ کی سلطنت بہت جلد اپنی عظمتوں اور وسعتوں کو چھوئے گی، اور بعض روایت میں ہے کہ، تمہارے بھائی کے بیٹے کو بڑی عظیم سلطنت آج حاصل ہو چکی ہے؛ مگر قربان جایئے سیدنا عم الرسول، بلکہ عم الامۃ کلھا، حضرت عباس پر آپنے فوراً کہا ویحک یا ابا سفیان "انھا النبوۃ" اے ابوسفیان تیرا ناس ہو، یہ سب نبوت کی کرشمہ</u>

سازی اور برکتیں ہیں، تو ابوسفیان نے کہا واقعۃً آپ نے بالکل درست کہا(المطالب العالیه بحواله انها النبوة والسیرت النبوية) یہ تھا حضرت عباس کا جواب، جس کو آج امت فراموش کر چکی ہے، اس واقع کو پڑھنے کے بعد مجھے خود ایسا محسوس ہوا، جیسے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھیجی ہو۔ عصر حاضر کے انسانوں کو، خاص طور پر مسلمان کو سمجھانے کے لئے ہی حضرت ابوسفیان اور حضرت عباس کے درمیان محادثہ کروایا ہو کیوں کہ ابوسفیان ابھی کچھ دیر قبل اسلام میں داخل ہوئے تھے اور حضرت عباس پہلے ہی داخل ہو چکے تھے، ابوسفیان کو اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت ابھی حاصل نہیں ہوئی تھی؛ جبکہ حضرت ابوالفضل عباس صحبت رسول سے فیض یاب ہو چکے تھے، حضرت ابوسفیان نے وہی اپنی زمانہ جاہلیت والی ذہنیت کی بنیاد پر کہا "وان لا بن اخیک غداً ملکاًعظیما" کہ تمہارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بڑی عظیم ہوگی، گویا اس میں بھی قریش والا تفاخر شامل تھا، یعنی اگر محمد ابن عبداللہ کو وسیع سلطنت حاصل ہو تو؛ بہر حال وہ بھی تو قریشی ہی ہیں، سیدنا حضرت عباس نے اس ذہنیت کو محسوس کر لیا اور برجستہ (ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے الہامی جواب دیا ہو) کہا: کہ نہیں؛ اس میں نسبیت اور قریشیت کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ یہ تو اس نبوت کی برکتیں ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جانب سے عطا کی گئی، سبحان اللہ ہمارے ماں باپ قربان ہوں، حضرت عباس پر کہ آپ نے کیسا حکمت بھرا جواب دیا، اور یہ جواب صرف ابوسفیان کے لئے نہیں تھا؛ بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں اور مسلمانوں کے لئے ہے کہ، اگر تم چاہتے ہو دنیا میں عزت حاصل ہو اور دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے؛ تو تمہیں منہج نبوت کو زندگی کے ہر شعبے میں جگہ دینی ہوگی، ہمارے تمام تر مصیبتوں کا علاج صرف اور صرف منہج نبوت میں ہے آج امت بھی اسی طرح مختلف عصبیتوں کے گرداب میں پھنسی ہوی ہے اور اسلامی نبوی نسبتوں کو فراموش کر چکی ہے!!!۔

اللہ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ....اور منہج نبوت کو اختیار کرنے کی توفیق سے نوازے، تاکہ ہم برکاتِ نبوت سے سرفراز ہو سکیں، اور دنیا وآخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہونے میں کامیاب ہو جائیں آمین یارب العالمین۔

اطاعت رسول اور مخالفت رسول کو اور بھی جلی انداز میں سمجھنے کے لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کہ تین معرکوں کو پڑھنا ہوگا، معرکۂ بدر، معرکۂ احد، اور معرکۂ حنین ان تینوں معرکوں کو پڑھنے سے، یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ، مسلمان کی کامیابی کا راز کیا اور اس کی تباہی کا اہم سبب کیا ہے۔

یہ تینوں غزوات کی تفصیل تو مقصود نہیں، البتہ ان کے نتائج اور اسبابِ نتائج پر مختصراً چند امور پیشِ خدمت ہیں، غزوہ بدر ۲ھ رمضان المبارک میں کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان مقام بدر پر واقع ہوا، جو مدینہ سے تقریباً 150 ر کیلو میٹر، جنوب غرب میں اور مکہ سے تقریباً 340 ر کیلو میٹر کی دوری پر شمال میں واقع ہے، اس غزوہ میں جو باطل کی سب سے بڑی علاقائی طاقت اور اسبابِ ظاہرہ کے اعتبار سے، سب سے کمزور طاقت کے درمیان محض مذہبِ حق کی بنیاد پر مقابلہ ہوا، کفار مکہ کے لشکر کی تعداد تقریباً ۱۳۰۰ ر فوجیوں پر مشتمل تھی، جس میں سو گھوڑے سات سو زرہیں، اور بے حد وحساب اونٹ تھے؛ جس کا چیف کمانڈر ابو جہل تھا اور تمام اسلحوں سے لیث تھے، دوسری جانب لشکرِ اسلام تقریباً ۳۱۳ ر مجاہدین پر مشتمل تھا، جس میں ۸۲ ر یا ۸۶ ر مہاجرین تھے؛ ۶۱ ر قبیلہ اوس سے اور ۱۷۰ ر قبیلہ خزرج کے شیدائی تھے، اونٹ ستّر تھے، اور صرف دو گھوڑے تھے، اسلحہ بھی بہت کم تھا، اب آپ خود موازنہ کریں کہ کیا دونوں جانب بظاہر کسی طرح کا بھی توازن ہے۔

اسلامی لشکر	لشکرِ کفار
۳۱۳ ر	۱۳۰۰ ر
۲ ر گھوڑے	۱۰۰ ر گھوڑے
کوئی زرہ نہیں	۷۰۰ ر زرہیں
۷۰ ر اونٹ	بے حد وحساب اونٹ

اب کون کہہ سکتا ہے کہ، اسلامی لشکر کامیاب ہوگا! اور لشکرِ کفار شکست کھائے گا! مگر ہوا ایسا ہی کہ اسلامی لشکر غالب اور کامیاب ہوا اور کفار شکست فاش سے دو چار ہوئے، ظاہری اسباب میں مسلمانوں کی کامیابی کے کوئی آثار نہیں تھے، اور کفار کی ناکامی کے بھی کوئی آثار نہیں تھے، مگر ہوا ایسا ہی۔ یہ ہمارے لیے قابل غور ہے کہ، آخر مسلمانوں کی کامیابی کے پیچھے کونسے عوامل کارفرما تھے؟

۱۔ **اللہ کی ذات پر اعتماد کامل** :- اس طور پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بشارت سنائی کہ کامیابی، ہمارے لیے مقدر کردی گئی ہے، اور اپنے خطبہ بدر میں کہا: " **فان وعده حق قو له صد ق وعتا به شديد و انما انا و ا نتم با لله الحی القيوم اليه الجأ نا ظهو ر نا وبه اعتصمنا وعليه تو كلنا واليه المصير يغفر الله لی وللمسلمين** " (انهاالنبوة: ص ۳۱۵)

یقیناً اللہ کا وعدہ برحق ہے، اس کی بات سچی، اس کی گرفت اور عذاب سخت ہے، میں اور آپ ہم سب محض اس ہمیشہ رہنے والی ذات اور نظام کائنات کو تھامے ہوئے ہستی کے بل بوتے پر ہیں، ہم اسی کی طرف ٹھکانہ پکڑتے ہیں، اسی کی در کو تھامتے ہیں، اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے، اللہ مجھے اور آپ کو بخش دے۔'' گویا ''انتم الاعلون ان کنتم مؤ منین '' کی تشریح کررہے تھے، اور '' **من یتو کل علی اللہ فھو حسبہ**'' کو سمجھا رہے تھے، اور یہی مومن کی زندگی کا امتیازی وصف ہے کہ، وہ اسباب اختیار کرنے کے بعد قلتِ اسباب اور ضعفِ قوت پر نظر نہیں رکھتا؛ بلکہ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے، اور پھر قلتِ اسباب، ضعفِ قوت کیا عدم قوت کی صورت میں بھی اللہ کامیابی سے ہمکنار کرنے پر قادر ہے، بس شرط یہ ہے کہ ایمان قوی، عمل صحیح اور اعتماد کامل پایا جائے۔ اللہ ہمیں بھی ان صفات سے متصف کردے۔ آج ہماری سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ، ایمان کمزور، اعتماد میں کمی، عمل میں عدمِ خلوص اور عدمِ صحت۔ **اللھم اھدنا و اھدبنا و اھد النا س جمیعاً** .

۲- **صدقِ دل سے دعاء، آہ وزاری اور گریاوزاری کے ساتھ استجابت دعاء کا یقین رکھنا** :- آپ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیتِ دعا کو پڑھ لیں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے پہنچے، رات بھر نمازیں پڑھتے رہے اور گڑگڑا کر دعائیں کرتے رہے'' امام مسلم اور دیگر محدثین و مؤرخین اور سیرت نگاروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعا اور کیفیت ذکر کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر بے پناہ آہ وزاری کرتے ہوئے کہا: '' **اللھم انجز لی ماوَعَدُتَّنی، اللھم آت ما وعد تنی، اللھم ان تھلک ھذ ہ العصابۃُ من اھل الاسلا م لا تعبد فی الا رض** ''

اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے، وہ پورا کریں، اے اللہ اپنا وعدہ پورا کر کے بتلائیے، اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ نہتی اور مختصر جماعت ہلاک ہوگئی، تو زمین پر آپ کی عبادت نہیں ہو سکے گی''

اور اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر دعا کررہے تھے، بلکہ ایسی حالت تھی کہ آپ کی چادر بھی زمین پہ گر گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ کیفیت دیکھی، تو چادر اٹھا کر آپ کے کاندھوں پر رکھی اور آپ کے ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے، یارسول اللہ! بس اب اتنا اپنے پروردگار سے آہ وزاری کرنا کافی ہے، ضرور اللہ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کریں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کو قرآن نے بھی بیان کیا:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّي مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْن ﴾ایک اورروایت میں ہے کہ بدر سے قبل، رات میں تو مذکورہ بالا دعاء کی، اور پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے؛ تو ان الفاظ میں دعاء کی: " **اللهم ان قريشا قد اقبلت بخيلا ئها وفخر ها تحا دك وتكذ ب رسو لك، اللهم فنصرك الذ ى وعدتنى اللهم احنهم الغداة** " (ابن ہشام:۳۱۴/۲)

اے اللہ قریش اپنے پورے جاہ وجلال اور اتراہٹ کے ساتھ میدان میں کود پڑے ہیں، گویا وہ آپ کو چیلنج کررہے ہیں، آپ کے رسول کی تکذیب کررہے ہیں، اے اللہ آپ مدد کے ذریعہ اپنے، اس وعدے کو پورا کیجئے، جو آپ نے مجھ سے کیا تھا، اور آج انہیں ہلاک کر کے چھوڑیے۔

(السيرة النبوة فى ضوء مصادر ها الا صلية : ص ۳۳۰)

یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کا اہتمام، دعا ایسا سلاح مومن ہے، جو تمام ظاہری اسلحہ پر فوقیت رکھتا ہے، بلکہ مومن کا سب سے قوی ہتھیار ہے، کیونکہ دعا کے ذریعہ ہی مومن کا اللہ سے تعلق کے مضبوط ہونے کا علم ہوتا ہے، مومن کی نگاہ اپنی ظاہری طاقت پر نہیں ہوتی، بلکہ اللہ پر ہوتی ہے۔

آج ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ، اولاً تو ہماری اکثریت نے دعاء کو بھلا ہی دیا، اور قدر قلیل تعداد دعا کرتی ہے، تو اس میں نہ آدابِ دعاء کی رعایت، اور نہ دعا کی قبولیت کا یقین اور نہ گریا وزاری، نہ دل جمعی سے دعاء **فانی يستجاب** پھر کہاں وہ قبول ہوگی؟؟!!.

اللہ ہمیں دل جمعی کے ساتھ دعا کرنے کی کثرت سے توفیق عطا فرمائے۔آمین

۳- شوریٰ:- کا اہتمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت صحابہ سے مشورہ کرتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قریش کے تعاقب میں مدینہ سے نکلے تھے، مگر ابوسفیان کی چالا کی کی وجہ سے قافلہ قریش بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا، لہٰذا جنگ کی تیاری نہ تھی اور نہ امکان، اسی لیے نفیرِ عام بھی نہیں کیا، اور نہ اسلحہ وغیرہ کا اہتمام کیا، مگر جب پتہ چلا کہ قافلہ قریش تو بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا، البتہ کفار مکہ جنگ کی تیاری کے ساتھ نکل چکے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار ومہاجرین سے مشورہ کیا، شروع شروع میں تو بعض صحابہ کو تردد ہوا، اس لیے کہ جنگ کی تیاری سے نہیں آئے تھے، مگر جب کبارِ صحابہ نے دیکھا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشیٰ جنگ ہے؛ تو اولاً حضرت ابوبکر اور حضرت مقداد نے تاکید کی، اور پھر انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ نے بھی پرزور تائید کی،

جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مسرور ہو گئے اور کہنے لگے " سیـر و ا بشـر و ا " چل پڑو اور بشارت سن لو کہ، اللہ نے دو میں کسی ایک کو ہزیمت دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔(السیرۃ النبویۃ:ص ۳۲۴)

اس سے دو سبق ملے ایک تو مشورہ کرنا اور دوسرا بڑوں اور چھوٹوں کو امیر کا منشا معلوم کرنا، اس کی تائید کرنا، چاہے تیاری کیوں نہ ہو، آج ہمارے اندر یہ چیز بھی مفقود ہے، شوریٰ کا اولاً تو اہتمام نہیں، اور اگر کہیں ہے تو برائے نام ہر ایک اپنی رائے تھوپتا ہے، گویا مشورہ نہیں دیتا، بلکہ حکم جاری کرتا ہے، اور پھر جب اس کی رائے کی مخالفت ہو جاتی ہے، تو انتقام اور شرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، نہ کسی اہل کو امیر بنایا جاتا ہے، اور نہ اس کے منشا کو جانا جاتا ہے، اس سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور بااہل امیر، پھر اس کے منشا کے مطابق رائے دینے اور اس پر عمل کرنے سے اتفاق پیدا ہوتا ہے، اور پھر اتحاد کی برکت سے کامیابی آسانی سے اور جلد از جلد حاصل ہوتی ہے۔ وہ نا قابل بیان ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

۴ - **اطاعت رسول** :- بدر کی کامیابی کے اسباب میں سے ایک سبب، کامل اطاعت اور اتباع رسول بھی ہے کہ، ہر موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی اطاعت کی ......اور بعض کو تر ددتھا جیسا کہ قرآن نے اشارہ کیا ﴿و ان فریقاً من المو منین لکا رھو ن ﴾ (الانفال:۵) کہ مومنین کا ایک گروہ جنگ کے لیے آمادہ نہیں تھا، مگر جب منشاء رسول کو دیکھا تو صاف حضرت مقداد بن اسود نے کہا" **لا نـقـو ل کـمـا قـا ل بـنـو ا اسـر ائیـل لـمـو سیٰ ،اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھا ھنا قا عدو ن ، و لکنا نقاتل عن یمینک و عن شمالک و بین یدیک و خلفک** " اور حضرت سعد نے کہا" **فو الذی بعثک بالحق لـو استـعـر ضت بنا ھذا البحر فخضته لخضنا ہ معک، ما تخلف منا ر جل و احد و ما نکر ہ ان تـلـقـی بـنـا عـدو نا غدا ، انا لصُبُرٌ فی الحر ب صُدُ قٌ فی اللقاء، لعل اللہ یر یک منا ما تقر ہ عینک ،فسر بنا علی بر کة اللہ** (ابن ھشام)ومسلم)

کیسا خلوص بھرا کلام ہے مہاجرین وانصار کا، یہی مسلمان کی کامیابی کا اہم زینہ ہے، حضراتِ صحابہ کرامؓ میں عشقِ رسول بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اور اطاعتِ رسول کا جذبہ بھی اسی کے بقدر تھا؛ بلکہ جذبہ عشق سے زیادہ جذبہ اطاعت تھا، اور یہی اللہ کی جانب سے مطلوب بھی ہے، ﴿**قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَا تَّبِعُوْ نِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ** ﴾

۵- اپنے ماتحت کا معقول مشورہ قبول کرنا :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، تو حضرت حباب ابن منذر نے دریافت کیا کہ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑاؤ وحی کی بنیاد پر ہے، یا آپ کی اپنی صوابدید پر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نہیں میری اپنی رائے پر، حضرت حباب ابن المنذر نے کہا کہ، مید ان حرب میں پڑاؤ کے اعتبار سے فلاں جگہ زیادہ مناسب ہے، آپ نے ان کے مشورے کو قبول کیا اور ان کو یہ کہہ کر حوصلہ افزائی کی کہ " **لقد اشرت بالرائی** " کہ تم نے عمدہ مشورہ اور رائے دی۔

اسی طرح حضرت سعد ابن معاذؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عریش کی رائے دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی قبول کی۔

معلوم ہوا کہ ماتحت کی رائے بھی امیر کو قبول کرنی چاہیے، آج ہمارا حال یہ ہے کہ امیر جو کہہ دے، وہ پتھر کی لکیر اور کسی کو اچھی رائے دینے کی ہمت بھی نہیں ہوتی، اور اگر دے تو قبول بھی نہیں کی جاتی، اسوہ رسول سے مردم سازی ہوتی ہے اور ہمارے یہاں جو طریقہ ہے اس سے حوصلہ شکنی ہوتی ہے، اللہ ہمیں اسوہ رسول کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۶- بقدر وسعت اسباب اختیار کرنا اور صحیح نظام مرتب کرنا :- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لشکر کی تعداد معلوم کی، جاسوس چھوڑ کر ان کے ارادوں سے آگاہ ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سے دعا اور اللہ پر اعتماد کے ساتھ ساتھ، بقدر وسعت اسباب اور صحیح انتظام بھی اختیار و مرتب کرنا چاہیے۔

آج یہ بھی ہماری زندگی میں نہیں، اگر کہیں اسباب اختیار کرنے اور نظام مرتب کرنے کا ماحول ہے، تو کلی اعتماد اسی پر ہے، اور توکل اور دعا کا فقدان ہے؛ جبکہ یہ مومن کے شان کے بالکل خلاف ہے، اسباب اختیار کرنا بقدر وسعت اور مسبب الاسباب سے لَو لگا کر، اس کو مؤثر حقیقی گردا ننا، یہی تو مومن کی امتیازی شان ہے، اللہ ہمیں صفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۷- ہر حالت میں امیر کا اسلامی مساوات اختیار کرنا :- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات اور عدل کے دامن کو کبھی نہیں ترک کیا، مگر مساوات کا وہ مفہوم، جو اسلام نے مقرر کیا ہے، وہ نہیں جو آج مغرب نے گمراہی کو عام

کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر سواری کے وقت، اپنی باری میں حضرت علی اور ان کے ساتھی سے یہ کہنا (جب دونوں نے آپ کو سوار رہنے کو کہا) **"ما انتمابا قوی منی و لا انا اغنی عن الاجر منکما"** کہ، نہ تو تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی ہو، اور نہ میں تمہارے مانند اجر سے بے نیاز ہوں۔ اللہ اکبر!

۸- زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور اعلاء کلمۃ اللہ :- ان سب کے ساتھ جو ایک اہم عامل تھا، وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا مقصد ''اخلاص کے ساتھ اسلام کی سربلندی، اور اللہ کی رضا جوئی'' جو پورے طور پر واقعِ بدر میں شروع سے لیکر اخیر تک نمودار ہوتی رہی؛ اور ذرہ برابر دنیوی غرض شامل نہ تھی، مگر افسوس آج ہمارا حال، اس معاملہ میں قابل اصلاح ہی نہیں، نا قابل بیان بلکہ قابل رحم ہے؛ کہیں دین کے نام پر، کہیں ریلیف کے نام پر، کہیں تعلیم کے نام پر کہیں امداد کے نام پر، تو معلوم نہیں کس کس دینی وملی کام کے نام پر؛ آج ہمارا بڑا طبقہ محض اپنا اُلّو سیدھا کر رہا ہے، میں نہیں کہتا کہ سب کا یہ حال ہے، مگر اکثر کا یہی حال ہے، اس سے انکار کی گنجائش کم ہے۔

اگر ہمارے تمام دینی وملی ادارے اور بس، ایک ہی مقصد طے کرلیں کہ، اسلام کے صحیح اصول کے مطابق اللہ کی رضا کے خاطر ملت اور دین کی خدمت کرنا ہے، تو میں سمجھتا ہوں امت کے اختلاف وانتشار کی نا قابل بیان کیفیت ختم ہوسکتی ہے، بدر جیسے نتائج اب بھی پیدا ہوسکتے ہیں، اگر کوئی کہے کہ مذکورہ امور سے کیا ہوگا؟ تو میرا خیال ہے کہ، اگر ہم نے مذکورہ اسباب اختیار کیے، تو وہی بدر کا سا اب بھی قائم ہوسکتا ہے۔

خلاصہ کے طور پر یہ اسبابِ نصر پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)......ایمان قوی (۲)......اخلاص (۳)......اطاعتِ کاملہ، یعنی منہج نبوی کی تشریح سلف صالحین کی روشنی میں مکمل پیروی (۴)......اللہ پر کامل اعتماد اور توکل (۵)......ادعیہ ماثورہ اور گڑگڑا کر دعاؤں کی عادت (۶)......دعاء کے آداب کی رعایت اور اجابتِ دعا کا یقین (۷)......صحیح اسلامی اصول کے مطابق شوریٰ (۸)...... باہل امیر کا انتخاب (۹)......امیر کی کامل اطاعت (۱۰)...... ماتحت کی معقول رائے کو قبول کرنا اور حوصلہ افزائی کرنا (۱۱)......اسلامی مساوات کی رعایت، نہ کہ مغربی گمراہ کن مساوات کو اپنانا (۱۲)......ملت اور دین کی خدمت محض رضاء الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر (۱۳)......مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی اصول شریعت کے مطابق مکمل کوشش (۱۴)...... ہر حال میں، رنج وغم، خوشی اور مسرت، اچھے اور برے، تمام حالات میں شریعت کی مکمل

پیروی (۱۵)......فرائض و واجبات کا مکمل اہتمام، جیسے صحابہ کا روزے کی حالت میں بھی جنگ......لہٰذا نماز، روزہ، زکوٰۃ اور کلمہ کے تقاضوں کو ہمیشہ پورا کرنا (۱۶)......صبر اور ثبات قدمی کا مظاہرہ کرنا، جیسا کہ صحابہ نے بدر میں کیا۔

آیئے! اب غزواتِ احد، اور غزوہ حنین میں عارضی طور پر ہوئی ہزیمت کا مختصر جائزہ لیتے ہیں؛ تاکہ اسبابِ نصر کو اختیار کریں، اور اسبابِ ہزیمت سے خلاصی حاصل کریں۔

قبل اس کے کہ اسبابِ ہزیمت سے واقف ہوں، اسباب نصر کی صورت میں اللہ کی طرف سے کیا نعمتیں ملتی ہیں اسے بھی جانتے چلیں:

جب بندے اللہ کی مکمل تابعداری کرتے ہیں اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں؛ جیسا کہ انبیاء اور صحابہ نے چل کر بتلایا؛ تو اللہ کی مدد ایسے آتی ہے، جیسے بدر میں اور دیگر مختلف مواقع پر آئی۔

﴿۱﴾......اللہ کی خاص غیبی مدد فرشتوں اور بارش کی صورت میں۔

﴿۲﴾......مومن کی نظر میں کفار کی قلت ان کی کثرت کے باوجود۔

﴿۳﴾......اللہ کا کفار کی دلوں میں رعب ڈال دینا۔

﴿۴﴾......اللہ اس کی اطاعت کی برکت سے صلاحیت پیدا کردیتا ہے۔

﴿۵﴾......صالحین کو اللہ ہمیشہ کامیاب رکھتا ہے۔

﴿۶﴾......اللہ مسلمانوں کو ہمت اور طاقت سے نوازتا ہے۔

﴿۷﴾......مومن کو آخرت اور شہادت، دنیا کے مقابلہ میں محبوب ہوجاتی ہے۔

﴿۸﴾......مومن شکر نعمت پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

﴿۹﴾......مومن کے دل میں اللہ اور مسلمانوں کی خاطر، ہر طرح کی قربانی کا جذبہ بیدار کردیتا ہے۔

﴿۱۰﴾......ثبات قدمی، یعنی ہر حال میں قضا و قدر پر راضی رہنے اور صبر کے ساتھ ساتھ فرائض، واجبات، سنن و مستحبات کی روشنی پر عمل کرنے کا، جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

غزوہ احد

غزوہ احد مدینہ کے قریب واقع ایک پہاڑی کی دامن میں ماہ شوال ۳ھ میں واقع ہوا۔

کفار مکہ غزوہ بدر کا بدلہ لینا چاہتے تھے، اور ملک شام کے تجارتی راستہ کو بھی ہموار کرنا چاہتے تھے، ساتھ

ہی اپنی کھوئی ہوئی وقعت کو بحال کرنا اور مسلمانوں کو مزید مستحکم اور مضبوط ہونے سے روکنا چاہتے تھے؛ لہٰذا ۳۰۰۰ فوجیوں ۷۰۰ زرہیں ۲۰۰ گھوڑے لیکر، احد میں کود پڑے تھے؛ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار مجاہدین اور دو گھوڑے اور سو زرہوں پر مشتمل تھی۔

غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا داخل مدینہ جنگ کرنے کا تھا، مگر صحابہ کی بڑی تعداد میدان سے نکل کر جنگ پر آمادہ تھی؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رعایت کی اور اپنی رائے پر عمل نہیں کیا، گویا آغاز ہی میں کچھ کمی ہوگئی تھی، بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جھنڈے، ایک حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں مہاجرین میں سے، اور ایک اسید بن حضیر کے ہاتھ میں جو اوس میں سے تھے، اور ایک حباب ابن المنذر کے ہاتھ میں جو خزرج میں سے تھے تھما دیا ،اور احد کی طرف چلدیے راستہ میں ثنیۃ الوداع کے پاس ایک اسلحہ سے لیس دستہ کو دیکھا، تو پوچھا یہ کون ہیں، صحابہ نے کہا یہ عبداللہ بن ابی ابن سلول یہود کے قبیلہ بنو قینقاع سے ۶۰۰ سپاہی لیکر آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ، وہ مسلمان ہو چکے ہیں؟ صحابہ نے کہا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف کہہ دیا: "**قو لو لهم فليرجعوا، فانا لا نستعين بالمشركين على المشركين** (ابن سعد بحوالہ السیرۃ النبویۃ: ۳۶۵)

انہیں کہو کہ لوٹ جائیں، ہم مشرکین کے مقابلہ میں مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔

اسلامی لشکر جب مقام شوط پر پہنچا، تو عبداللہ ابن ابی ابن سلول ۳۰۰ منافقین کو لیکر یہ کہکر واپس ہوگیا کہ، بچوں کی بات مانی گئی اور میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا؛ کیونکہ اس کی رائے بھی مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کی تھی۔

بہرحال اس موقع پر صحابہ میں اختلاف ہوگیا، کچھ منافقین کی جانبداری تو کچھ مخالفت کرنے لگے، قرآن نے اسی موقع کے لیے کہا ﴿**فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا**﴾ (النساء: ۸۸)

یہ گویا دوسری چوک تھی، "آپسی اختلاف"۔

حضرت عبداللہ بن عمر ابن حزام نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ، ایسے جنگ کے موقع پر تم اپنی قوم اور نبی کو چھوڑ کر جا رہے ہو، مگر عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ایک نہ سنی قرآن نے ﴿**وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ**﴾ (آل عمران: ۱۶۶، ۱۶۷) میں اسی گفتگو کی طرف اشارہ کیا۔

اس موقع پر مخلص مومنین میں سے بنو سلمہ جو خزرج سے تھے اور بنو حارثہ جو اوس سے تھے، انہوں نے بھی

منافقین کے ساتھ مدینہ لوٹ نے کا ارادہ کیا؛ مگر اللہ نے ان کے اخلاص کی برکت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا﴿اِذْ هَمَّتْ طَا ئِفَتَانِ مِنْكُمْ﴾ (آل عمران:۱۲۳) سے اسی طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد کے پاس پہنچ گئے، اور صف بندی کی؛ اسلامی فوج کا رخ مدینہ کی طرف، اور پشت احد کی طرف رکھا اور پچاس مجاہدین کے ایک دستہ کو، حضرت عبداللہ بن جبیر کی امارت میں ایک چھوٹی سی ''پہاڑی حنین'' پر مامور کیا، جو احد کے بالکل سامنے تھی؛ تا کہ اگر مشرکین پیچھے سے حملہ کرنے کی کوشش کریں، تو یہ لوگ انہیں پیچھے ڈھکیل دیں، اور ان کو صاف الفاظ میں کہا'' **ان رأ یتمو نا تخطفنا الطیر فلا تبر جو امکا نکم هذ ا حتی ار سل الیکم** (بخاری) احمد اور حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہے '' **احمو ظهور نا فان رأیتمو نا نقتل فلا تنصرو نا وان رأیتمونا قد غنی فلا تشر کوا نا**'' اگر ہمیں پرندے اچکے، یا ہم قتل کیے جا رہے ہوں، یا غنیمت جمع کر رہے ہوں، خواہ کسی بھی حالت میں ہوں؛ جبتک میں تمہیں کسی کے ذریعہ نہ بلاؤں وہاں سے ہٹنا نہیں؛ یہاں بھی صراحت النص کے بعد بعض نے اجتہاد کیا، اسی طرح اپنے امیر کی بات نہ مانی۔ ''یہ تیسری چوک تھی''۔

بہر حال جنگ شروع ہوئی ایک موقع پر مسلمان غالب آ گئے تو ''جبل الرماۃ'' والے دستہ نے مال غنیمت کے حصول کے لیے اختلاف کیا اور امر رسول کے باوجود، اپنی جگہ امیر کی بات نہ مان کر چھوڑ دی حضرت خالد جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ''جبل رماۃ'' پر بہت مختصر سی جماعت رہ گئی ہے، تو وہ پیچھے مڑ کے آئے، اور اچانک حملہ آور ہو گئے، اس حملہ کی اول مرحلہ مسلمان تاب نہ لا سکے، اور منتشر ہو گئے، ایسے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی افواہ عام ہوگئی، تو مسلمانوں کے حوصلے اور زیادہ پست ہو گئے، اور بعض میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے، اور بعض وفاتِ رسول کی خبر سن کر مارے غم کے حواس باختہ ہو گئے اور ہتھیار ڈال کر جنگ سے کنارہ کش ہو گئے؛ مگر پھر حضرت کعب بن مالک نے آواز دی کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات ہیں، تو کچھ حوصلہ ملا؛ ایسے حالات میں تقریباً ستر صحابہ شہید ہو گئے، مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی بھر پور کوشش کی، مگر جاں نثار صحابہ نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا، جس میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوطلحہ انصاری، حضرت قتادہ، حضرت ابودجانہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پیش

پیش تھے؛مگر چونکہ جنگ بڑی گھمسان سے ہورہی تھی؛ لہٰذا صحابہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگئے، اور آپ کے چہرے پر سخت زخم آئے؛ بلکہ دو دندانِ مبارک شہید ہوگئے ۔حضرت فاطمہ اور حضرت علی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کی مرہم پٹی کی ،بعض مسلمان عورتوں نے بھی ،اس غزوہ میں بڑی خدمت انجام دی، مثلاً حضرت ام عمارہ، حضرت حمنہ بنت جحش، ام سلیم ،حضرت عائشہ،نسیبہ بنت کعب، مازنیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔

بعد میں جب مسلمان ایک بار پھر جم گئے اور دلیری سے لڑنے لگے،تو مشرکین نے راہِ فرار اختیار کرلی، یہ کہہ کر کہ اب ہم دوبارہ آئندہ سال جنگ کریں گے،ابوسفیان نے '' **اعلی ھُبُل** '' ھبل کی جے ہو کا نعرہ لگایا، صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر **اللہ اعلیٰ و اجل** سے جواب دیا،ابوسفیان نے '' **لنا عزی ولاعزی لکم** '' کہا تو صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر '' **اللہ مو لا نا ولا مو لیٰ لکم** '' سے جواب دیا،اور اخیر میں جب ابوسفیان نے کہا کہ یوم بیوم بدروالحرب سجال تو حضرت عمر نے کہا'' **لا سواء قتلا نا فی الجنة وقتلا کم فی النا ر** ''(ابن ہشام واقدی،بیہقی،مسند احمد بخاری ابن ابی شیبہ بحوالہ السیر ۃ النبویۃ:۳۸)

بہر حال واقعۂ احد کی مختصر معلومات تھی اب واقعۂ احد سے متعلق دو چیزیں بیان کی جارہی ہے۔ایک تو واقعہ احد کے ذیل میں قرآن نے جو اسباب ہزیمت بلکہ امہات اسباب ہزیمت بیان کیے ہیں، وہ اور دوسرے اللہ کی حکمت ومصلحت مومنین کو عارضی ہزیمت سے دوچار کرنے میں کیا ہے؟ چونکہ یہ موضوع بہت پرخطر ہے،اس لیے اسلام کے اولین معمار حضرات صحابہ کا تعلق اس سے ہے،اور صحابہ پر حرف گیری تو کجا ان سے بدظن ہونا بھی محرومی کے لیے کافی ہے، اور میں ایسا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا کیوں کہ ویسے ہی بندہ سراپا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے،اور ہمارے پاس یہی ایک سہارا ہے جس سے ہمیں اپنی نجات کی امید ہے اور وہ ہے انبیاء اور صحابہ سے محبت چاہے نفلی ہی کیوں نہ ہو۔

احب الصالحین و لست منھم

لعل اللہ یرزقنی صلاحا

بہر حال سیرۃ المصطفیٰ جو اردو میں سیرت کی تفصیلی اور محقق کتاب ہے،جس میں اہل سنت والجماعت کے مسلک اور اصول کی کامل تابعداری کی گئی ہے،لہٰذا اس کے حوالے سے کچھ چیزیں اختصار کر کے پیش خدمت ہے:

غزوہ اُحد کی عارضی ہزیمت کے اسباب اور حکمتیں:

حق جل وعلا نے غزوہ احد کے بیان وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّی الْمُؤمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَال سے ساٹھ آیتیں نازل فرمائیں، جن میں سے بعض آیات میں مسلمانوں کی ہزیمت وشکست کے اسباب اور علل، اسرار وحکم کی طرف اشارہ فرمایا، جو مختصر توضیح کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پیغمبر کا حکم نہ ماننے، ہمت ہار دینے اور آپس میں جھگڑنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْن﴾

''اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، جبکہ تم اللہ کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے اور آپس میں جھگڑنے لگے اور حکم عدولی کے بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبوب چیز یعنی فتح ونصرت تم کو دکھادی، بعض تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور بعض، خالص آخرت کے طلب گار تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا، یعنی شکست دی تا کہ تمہارا امتحان کرے اور تمہاری اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔''

(۲) اور تا کہ پکے اور کچے کا اور جھوٹے اور سچے کا امتیاز ہو جائے اور مخلص اور منافق صادق اور کاذب کا اخلاص اور نفاق، صدق اور کذب ایسا واضح اور روشن ہو جائے کہ کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں اگر چہ پہلے ہی سے مخلص اور منافق ممتاز تھے، لیکن سنتِ الٰہیہ اس طرح جاری ہے کہ محض علمِ الٰہی کی بناء پر جزاء اور سزا نہیں دی جاتی۔ جو شئ علم الٰہی میں مستور ہے، جب تک وہ محسوس اور مشاہد نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ثواب اور عقاب مرتب نہیں ہوتا۔ (سیرۃ المصطفیٰ:۲/۲۵۲ تا ۲۵۳)

(۳) اور تا کہ اپنے خاص محبین اور مخلصین اور شائقینِ لقاء خداوندی کی شہادت فی سبیل اللہ کی نعمتِ کبریٰ اور منتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں، جس کے وہ پہلے سے مشتاق تھے اور بدر میں فدیہ اسی امید پر لیا تھا کہ آئندہ سال ہم میں سے ستر آدمی خدا کی راہ میں شہادت حاصل کریں گے، جیسا کہ گزرا۔ اس نعمت اور دولت سے

حق تعالیٰ اپنے دوستوں ہی کو نوازتا ہے ظالموں اور فاسقوں کو یہ نعمت نہیں دی جاتی۔

قال تعالیٰ: ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِين﴾

اور تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین کو ممتاز کر دے اور تم میں سے بعض کو شہید بنائے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔"

(۴) اور تا کہ مسلمان اس شہادت اور ہزیمت کی بدولت گناہوں سے پاک اور صاف ہو جائیں اور جو خطائیں ان سے صادر ہوئی ہیں، وہ اس شہادت کی برکت سے معاف ہو جائیں۔

(۵) اور تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو مٹا دے، اس لیے کہ جب خدا کے دوستوں اور محبین اور مخلصین کی اس طرح خونریزی ہوتی ہے، تو غیرتِ حق جوش میں آجاتی ہے اور خدا کے دوستوں کا خون عجیب رنگ لے کر آتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جن دشمنانِ خدا نے دوستان خدا کی خونریزی کی تھی، وہ عجیب طرح سے تباہ اور برباد ہوتے ہیں۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　　چندان اماں نداد کہ شب را سحر کند

کما قال تعالیٰ: ﴿ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِيْن﴾

"اور تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کا میل کچیل صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔"

(۶) اور تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں، کبھی دوستوں کو فتح و نصرت سے سرفراز کرتے ہیں اور کبھی دشمنوں کو غلبہ دیتے ہیں۔

﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاس﴾

"اور ان دنوں کو ہم لوگوں میں باری باری پھیرتے رہتے ہیں۔"

مگر انجام کا غلبہ دوستوں کا رہتا ہے "والعاقبة للمتقين" اس لیے کہ اگر ہمیشہ اہلِ ایمان کو فتح ہوتی رہے، تو بہت سے لوگ محض نفاق سے اسلام کے حلقہ میں آشامل ہوں، تو مومن اور منافق کا امتیاز نہ رہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون ان میں سے خاص اللہ کا بندہ ہے اور کون ان میں سے عبدالدینار والدرہم ہے۔

اور اگر ہمیشہ اہلِ ایمان کو شکست ہوتی رہے تو بعثت کا مقصد (اعلاء کلمۃ اللہ) حاصل نہ ہو، اس لیے حکمتِ الٰہیہ اس کو مقتضی ہوئی کہ کبھی فتح و نصرت ہو اور کبھی شکست اور ہزیمت ہو، تا کہ کھرے کھوٹے کا امتحان ہوتا رہے۔

قال تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلىٰ مَا أَنْتُم عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ ''اللہ تعالیٰ مومنین کو اس حالت پر نہیں چھوڑ نا چاہتے، یہاں تک کہ جدا کردے ناپاک کو پاک سے اور انجام کار غلبہ اور فتح حق کو ہو۔''

(۷) نیز اگر ہمیشہ دوستوں کو فتح ہوتی رہے اور ہر معرکہ میں ظفر اور کامیابی ان کی ہمرکاب رہے تو اندیشہ یہ ہے کہ کہیں دوستوں کے پاک وصاف نفوس طغیان اور سرکشی اور غرور واعجاب میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ اس لیے مناسب ہوا کہ کبھی راحت اور آرام اور کبھی تکلیف اور ایلام، کبھی سختی اور کبھی نرمی، کبھی قبض اور کبھی بسط۔

(۸) اور تاکہ شکست کھا کر شکستہ خاطر ہوں، اس وقت حق جل وعلاء کی طرف سے عزت اور سربلندی نصیب ہو، اس لیے کہ عزت ونصرت کا خلعت ذلت اور انکساری ہی کے بعد عطا ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ ''اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی درآنحالیکہ تم بے سروسامان تھے۔''

وقال تعالیٰ: ﴿وَيَومَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا﴾ ''اور جنگ حنین میں جب تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈالا تو وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔''

حق جل شانہٗ جب اپنے کسی خاص بندے کو عزت یا فتح اور نصرت دینا چاہتے ہیں، تو اول اس کو ذلت اور خاکساری اور عجز اور انکساری میں مبتلا کرتے ہیں، تاکہ نفس کا تنقیہ ہوجائے اور اعجاب اور خود پسندی کا فاسد مادہ یکلخت خارج ہوجائے، اس طرح ذلت کے بعد عزت اور ہزیمت اور شکست کے بعد فتح ونصرت اور فنا کے بعد بقاء عطا فرماتے ہیں۔

(۹) اور تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ بدون مجاہدۂ عظیم اور بغیر ریاضتِ تامہ کے مراتب اور درجاتِ عالیہ کا دل میں خیال باندھ لینا مناسب نہیں۔

کما قال تعالیٰ: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ﴾ ''کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ جنت میں داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا اور صابرین کا امتحان نہیں لیا۔''

(۱۰) اور تاکہ تمہارے پاک نفوس دنیا کی طرف میلان سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوجائیں اور آئندہ

سے کبھی بھی دنیائے حلال (یعنی مالِ غنیمت) کے حصول کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے کہ، ہمارے رسول کے حکم کے خلاف مال غنیمت کو دیکھ کر پہاڑ سے نیچے کیوں اترے ہم نے اس وقت تمہاری اس فتح کو شکست سے اس لیے بدلا ہے کہ، تمہارے قلوب آئندہ کے لیے دنیائے دوں کا وجود اور عدم تمہاری نظر میں برابر ہوجائے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ فَاثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابُكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِّمَا تَعْمَلُوْن ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ نے تم کو اس مالِ غنیمت کی طرف مائل ہونے کی پاداش میں غم پر غم دیا؛ تاکہ آئندہ کو تمہاری یہ حالت ہوجائے کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس پر غمگین نہ ہو اور کسی مصیبت کے پہنچنے سے تم پریشان ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

یعنی اس وقتی ہزیمت اور شکست میں ہماری ایک حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ تم زہد اور صبر کے اس اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ جاؤ کہ جہاں دنیا کا وجود اور عدم نظروں میں برابر ہوجاتا ہے، جیسا کہ حق جل شانہٗ کا دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الاَرْضِ وَلَا فِي اَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا اَنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْر لِكَيْلَا تَأسَوا عَلٰى مَافَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا اٰتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلُّ مُخْتَالٍ فَخُور ﴾ ''نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں یا تمہارے نفسوں میں، مگر وہ پہلے ہی سے لوحِ محفوظ میں مقدر ہوتی ہے اور تحقیق یہ امر اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے اور مصائب کے نازل کرنے میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ تم صبر میں اس درجہ کامل ہوجاؤ کہ اگر دنیا کی کوئی چیز تم سے فوت ہوجائے، اس پر غمگین نہ ہوا کرو اور دنیا کی جو چیز اللہ تم عطا کرے تو تم اس دنیا کی چیز کو دیکھ کر خوش نہ ہوا کرو اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔''

دنیا کے آنے سے دل کا خوش نہ ہونا اور دنیا کے جانے سے دل کا رنجیدہ نہ ہونا، یہ زہد اور صبر کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں اشارہ فرمادیا کہ معرکہ احد میں صحابہ کو جو یہ غم دیا گیا کہ فتح کو شکست میں بدل دیا اس میں اللہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ آئندہ سے صحابہ کے دل میں دنیا کے فوت ہونے کا کوئی غم نہ ہوا کرے اور دنیا کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہوجائے اور ہر حال میں قضاء الٰہی پر راضی اور خوش رہنا، منافقین اور جہلاء کی طرح خداوند ذوالجلال سے بدگمان نہ ہوں کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے ہماری مدد کیوں نہ فرمائی۔

(۱۱) نیز یہ واقعہ آپ کی وفات کا پیش خیمہ تھا، جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ اگرچہ اس وقت تم میں سے بعض لوگوں کے بمقتضائے بشریت رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر سن کر پاؤں اکھڑ گئے، چونکہ اس کا منشاء معاذ اللہ بزدلی اور نفاق نہ تھا، بلکہ غایت ایمان واخلاص اور انتہائی محبت وتعلق تھا کہ اس وحشت اثر خبر کی دل تاب نہ لاسکے اور اس درجہ پریشان ہوگئے کہ میدان سے پاؤں اکھڑ گئے، اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے تمہارا یہ قصور معاف فرما دیا۔

﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''اور اللہ تعالیٰ تو ایمانداروں پر بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔''

لیکن آئندہ کے لیے ہوشیار اور خبردار ہو جاؤ کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے دین اور آپ کی سنت اور آپ کے جادہ استقامت سے نہ پھر جانا، آپ کی وفات کے بعد کچھ لوگ دین سے پھر جائیں گے، جس سے فتنہ ارتداد کی طرف اشارہ تھا اور مقصود تنبیہ ہے کہ آپ ہی کے طریق پر زندہ رہنا اور آپ ہی کے طریق پر مرنا، محمد ﷺ اگر وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں، تو ان کا خدا تو زندہ ہے اور یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَائِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾

''اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول ہی تو ہیں، جن سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے، پس اگر آپ کا وصال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائے تو کیا تم دینِ اسلام سے پھر جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل واپس ہو جائے، تو وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو انعام دے گا۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یمن کا قبیلہ ہمدان جب مرتد ہونے لگا، تو عبد اللہ بن مالک ارحبیؓ نے قبیلہ ہمدان کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا۔

''یا معشر همدان انكم لم تعبدوا محمدا عليه السلام انما عبدتم رب محمد (عليه السلام) وهو الحي الذي لا يموت غير انكم اطعتم رسوله بطاعة الله واعلموا انه استنقذكم من النار ولكم يكن الله ليجمع اصحابه على ضلالة الى اخير الخطبة۔''

''اے گروہ ہمدان! تم محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ رب محمد (ﷺ) کی عبادت کرتے تھے اور رب محمد (ﷺ) حی لا یموت ہے۔ ہاں تم اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے تھے، تاکہ رسول کی

اطاعت اللہ کی اطاعت کا ذریعہ بن جائے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے رسول کے ذریعے آگ سے چھڑایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کے اصحاب کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔''

اور یہ شعر کہے ؎

لعمری لئن مات النبي محمد　　　لما مات یا ابن القیل رب محمد

قسم ہے میری زندگی کی، کہ اگر نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، تو آپ کا پروردگار زندہ ہے، اے سردار کے بیٹے۔ (سیرۃ المصطفیٰ:۲/۲۵۲تا۲۶۰)

فتح کے بعد ہزیمت کی حکمت

(غزوہ احد میں فتح کے بعد ہزیمت پیش آجانے کی حکمت اور مصلحت پر اجمالی کلام)

حسب ذیل وعدہ خداوندی شروع دن میں مسلمان کافروں پر غالب رہے، مگر جب اس مرکز سے ہٹ گئے، جس پر اللہ کے رسول نے کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اتر آئے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح شکست سے بدل گئی۔

بارہ گاہ خداوندی میں محبین مخلصین اور عاشقینِ صادقین کی ادنیٰ ادنیٰ بات پر گرفت ہوتی ہے، حق جل شانہ کو یہ ناپسند ہوا کہ اس کے محبین مخلصین صحابہ کرام، اللہ کے رسول کے حکم سے ذرہ برابر عدول کریں؛ اگرچہ وہ عدول کسی غلط فہمی اور بھول چوک سے ہی کیوں نہ ہو، نیز عاشق صادق کے شان عشق کے یہ خلاف ہے کہ، وہ دنیا کے متاع اور مال غنیمت کے جمع کرنے کے لیے کوہِ استقامت سے اتر کر زمین پر آئے۔ جس مال غنیمت کے جمع کرنے کے لیے صحابہ کرام پہاڑ سے اترے تھے، اگرچہ وہ دنیائے حلال اور طیب تھی ﴿**فکلو مما غنمتم حلالا طیباً**﴾ مگر صحابہ جیسے عاشقین صادقین کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ، خداوند ذوالجلال کے بغیر اجازت اوراذن کے اس حلال وطیب کی طرف ہاتھ بڑھائیں ؎

موسیا آداب دانا دیگرند　　　سوختہ جانان روانان دیگرند

خداوند مطلق اور محبوب برحق نے، اپنے محبین مخلصین کی تنبیہ کے لیے وقتی طور پر فتح کو شکست سے بدل دیا کہ، متنبہ ہو جائیں کہ غیر اللہ پر نظر جائز نہیں، اور علم ازلی میں یہ مقدر فرمادیا کہ وقتی طور پر اگر شکستہ خاطر ہوں گے مگر عنقریب فتح مکہ سے اس کی تلافی کر دی جائے گی اور آئندہ چل کر قیصر وکسریٰ کے خزائن ان کے ہاتھوں میں

دے دیے جائیں گے۔

مقصود یہ تھا کہ محبین مخلصین کے قلوب دنیائے حلال کے میلان سے بھی پاک اور خالص بن جائیں، اسی بارہ میں حق شانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهُ اِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِاِذْنِهِ حَتّٰى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْن﴾ (آل عمران)

''اور تحقیق اللہ نے تم سے جو فتح کا وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، جس وقت تم کفار کو بتائید خداوندی قتل کر رہے تھے، حتی کہ (وہ سات یا نو آدمی جن کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا تھا) وہ سب تمہارے ہاتھ سے مارے گئے، یہاں تک کہ جب تم خود سست پڑ گئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے حکم کی نافرمانی کی، بعد اس کے کہ اللہ نے تمہاری محبوب اور پسندیدہ چیز (یعنی کافروں پر غلبہ وفتح) کو تم کو تمہاری آنکھوں سے دکھلا دیا، تم میں سے بعض تو وہ تھے کہ دنیا (غنیمت) کی طرف مائل ہوئے اور بعض تم میں سے وہ تھے کہ، جو صرف آخرت کے طلب گار اور جویا تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا اور حاصل شدہ فتح کو ہزیمت میں بدل دیا، تاکہ تم کو آزمائے اور صاف طور پر ظاہر ہو جائے کہ کون پکا ہے اور کون کچا اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ غلطی بالکل معاف کر دی۔ (لہٰذا اب کسی کو اس غلطی پر طعن و تشنیع بلکہ لب کشائی بھی جائز نہیں، خدا تعالیٰ تو معاف کر دے اور یہ طعن کرنے والے معاف نہ کریں) اور اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین پر بڑے ہی فضل والے ہیں۔''

ان آیات میں حق جل شانہ نے یہ بتلا دیا کہ یکبارگی معاملہ اور قصہ منعکس ہو گیا کہ لشکر کفار جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو رہا تھا، اب وہ اہل اسلام کے قتل میں مشغول ہو گیا، اس کی وجہ ایک تو یہ ہوئی کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد عدولِ حکمی میں کو واستقامت سے پھسل پڑے، جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا اور بعض کی لغزش سے تمام لشکر اسلام ہزیمت کا شکار بنا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مگر بایں ہمہ خداوند ذوالجلال والاکرام کے عنایاتِ بے غایات اور الطافِ بے نہایات مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئے کہ باوجود اس محبت آمیز عتاب کے بار بار مسلمانوں کو تسلی دی کہ تم ناامید اور شکستہ خاطر نہ ہونا۔ ہم نے تمہاری لغزش کو بالکل معاف کر دیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ عفو کا اعلان اس آیت میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْن﴾ اور پھر اسی رکوع کے آخر میں مسلمانوں کی مزید تسلی کے لیے دوبارہ عفو کا اعلان فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْم﴾

''تحقیق جن بعض لوگوں نے تم سے پشت پھیری، جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں، سو جزایں نیست اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کردیا اور خیر جو ہوا سو ہوا، اب البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو بالکل معاف کردیا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور حلم والے ہیں۔''

حق جل شانہ نے صحابہ کرام کے اس فعل کو لغزش قرار دیا'' استزلهم الشيطن '' کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے، اور لغزش کے معنی یہ ہیں کہ ارادہ تو کچھ اور تھا مگر غلطی اور بھول چوک سے بلا ارادہ اور اختیار قدم پھسل کر راستہ سے گر گیا، اشارہ اس طرف ہے کہ یہ جو کچھ ہو گیا وہ لغزش تھی، جان بوجھ کر تم نے نہیں کیا اور خیر جو کچھ ہو گیا اس کو ہم نے اپنی رحمت سے معاف کردیا۔ تم کو معافی کی اطلاع دے دی کہ تم ملول اور رنجیدہ اور ناامید ہو کر نہ بیٹھ جانا اور تمہاری معافی کا اعلان ساری دنیا کو اس لیے سنا دیا کہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حق جل شانہ کہ عنایات بے غایات کس طرح اصحاب رسول پر مبذول ہیں اور کس کس طرح ان کو چند در چند تسلیاں دی جارہی ہیں تاکہ قیامت تک کسی کو مجال نہ ہو کہ صحابہ کرام کی شان میں لب کشائی کرسکے، جب حق تعالیٰ شانہ نے ان کو معاف کردیا اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تو اب بلا سے کوئی ان کو معاف کرے یا نہ کرے ان سے راضی ہو یا نہ ہو، خدا کے عفو اور رضا کے بعد کسی کے عفو اور رضا کی ضرورت نہیں۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

غزوہ بدر میں فدیہ لینے پر جو عتاب نازل ہوا تھا، اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ خداوند ذوالجلال کے دشمنوں کے قتل وقتال کے بارے میں پامال کرنے کے بجائے مال ومنال کو کیوں ترجیح دی۔

اسی طرح غزوہ احد میں دنیوی مال ومتاع (مال غنیمت کی طرف میلان کی وجہ سے عتاب ہوا، مگر بعد میں معاف کردیا گیا۔

ہزیمت کے اسرار:

غزوہ احد کی ہزیمت کے اسرار وحکم کے بیان کے بعد، حق تعالیٰ شانہ نے حضرات انبیاء سابقین کے صحابہ ربیین کا عمل بیان فرمایا کہ خدا کی راہ میں ان کو طرح طرح کی تکلفیں اور قسم قسم کی مصیبتیں پہنچیں، لیکن انہوں نے نہ ہمت ہاری اور نہ دشمنوں کے مقابلہ میں عاجز ہوئے۔ نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ دشمنوں سے

جہاد میں ثابت قدم رہے۔مگر بایں ہمہ اپنی شجاعت اور ہمت، صبر واستقامت پر نظر نہیں کی، بلکہ نظر خداوند ذوالجلال ہی پر رکھی اور برابر خدا سے گناہوں کے استغفار اور ثابت قدم رہنے کی دعاء مانگتے رہے۔اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں اس کا صلہ مرحمت فرمایا۔قال تعالیٰ:

﴿وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا اَصَابَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْن﴾ (آل عمران)

''اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر خدا پرستوں نے کافروں سے جہاد وقتال کیا، لیکن ان مصیبتوں کی وجہ سے جو ان کو خدا کی راہ میں پہنچیں نہ تو سست ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمنوں سے دبے اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، اور ان کی زبان سے صرف یہ قول نکل رہا تھا کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا انعام اور آخرت کا بہترین انعام عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔'' (سیرۃ المصطفیٰ:۲/۲۶۰تا۲۶۴)

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ ہمارے طبقہ میں محقق شمار کیے جاتے ہیں، واقعۃً آپ نے اتنے قیمتی اسباب اور اسرار بیان کیے کہ اب اس کے بعد مزید کی گنجائش نہیں میں نے ہو بہو نقل کرنے کو مفید سمجھا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں تھی تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ ادراک ہو جائے کہ اگر تمہارے اندر بھی کچھ کمی رہی یا اللہ کی کوئی مصلحت ہو تو شکست سے دو چار ہو سکتے ہو، ایسے موقع پر مایوس نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنی کمی کو دور کر کے مزید حوصلہ کے ساتھ کمر بستہ ہو جانا چاہیے۔اور صحابہ نے بھی یہی کیا اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ مختصر عرصہ میں ان بابرکت ہستیوں نے دنیا کا نقشہ کیسے بدل کر رکھ دیا جو دنیا شرور وفتن اور فتنہ وفساد اور جہالت کی آماجگاہ تھی، اسے عدل وانصاف اور امن وامان اور علم حقیقی ومعرفت حقیقی سے سرشار کر دیا اور ایسا انقلابِ خیر برپا کیا کہ، تاریخ اس کی ایک نظیر بھی نہیں پیش کر سکتی ہے۔اللہ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

غزوہ حنین اور اسباب ہزیمت:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یوں سمجھئے کہ آخری معرکہ، اس میں بھی کچھ دیر کے لیے شکست سے دو چار ہونا پڑا جس کا سبب غالباً مسلمانوں کا عُجب، اسباب اور کثرت پر نظر تھی، جو اللہ کو بالکل پسند نہ آیا کہ میرے جن پیارے بندوں سے مجھے دنیا میں ''اعلاء کلمۃ اللہ'' کا کام لینا ہے، آخر ان کی نظر اسباب پر کیوں گئی اور مسبب الاسباب سے کمزور کیوں ہوئی، اس توقع کے سلسلہ میں بھی حضرت مولانا ادریس کاندھلوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: (وطیب الله ثراه وجعل الجنة مثواه)

۸؍شوال ۸ھ یوم شنبہ کو بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اور حنین کا قصد فرمایا، دس ہزار جاں باز و جاں نثار تو وہی تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور بعض نومسلم غیر مسلم۔

بارہ ہزار کا لشکرِ جرار جب حنین کی طرف بڑھا تو ایک شخص کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ ''لن نغلب الیوم من قلة'' ''آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔''

جس میں شائبہ فخر اور اعجاب (خود پسندی) کا تھا، جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ عالم اسباب میں چونکہ قلت بھی باعثِ ہزیمت ہوتی ہے، اس لیے کثرت کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان پر یہ لفظ آ گئے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب ہوں گے، یعنی اگر آج ہم مغلوب ہوئے تو یہ ہماری مغلوبی قلت کی وجہ سے نہ ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی، فتح و نصرت اسی کے ہاتھ میں ہے لیکن بارگاہ احدیت میں یہ کلام ناپسند ہوا۔

اس لیے کہ اس میں یہ ابہام تھا کہ کامرانی، کامیابی، غلبہ اور فتح یابی کا سبب کثرت ہے، خصوصاً وہ حضرات کہ جو توحید و تفرید کی منزلیں خانقاہ نبوت و رسالت میں رہ کر طے کر چکے ہوں، ان میں سے کسی ایک کی زبان سے بھی ایسا موہم لفظ نکلنا ان کے شایانِ شان نہیں۔ عجب نہیں کہ جو لوگ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے او آپ کے ہمراہ تھے اور ہنوز اسلام ان کے دلوں میں راسخ نہ ہوا تھا یہ ان کی صحبت کا اثر ہو۔

سنن نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں آں حضرت ﷺ نے سورۂ روم پڑھنا شروع کی، اثناء قرأت میں آپ کو کچھ خلجان اور التباس و اشتباہ پیش آیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ارشاد فرمایا:

''ما بال اقوام يصلون معنا لا يحسنون الطهور وانما يلبس علينا القرآن واولئک''

کیا حال ہے لوگوں کا کہ، ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وضو ٹھیک طرح نہیں کرتے،

جزء ایں نیست کہ ایسے ہی لوگ ہمارے پڑھنے میں گڑ بڑ کر دیتے ہیں۔''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کے خاطر عاطر کی کدورت اور التباس قرأت کی علت فقط ان لوگوں کی صحبت ومعیت تھی کہ جو وضو کے پورے آداب ومستحب بجا نہیں لائے تھے، عیاذاً باللہ ان میں کوئی بے وضو نہ تھا سب باوضو تھے، مگر بعض نمازیوں کی وضو میں وضاءت یعنی صرف حسن اور جمال کی کمی تھی جس سے آپ کا قلب منور متاثر ہوا، اب اس سے مشرکین اور مبتدعین زنادقہ اور ملحدین کی صحبت کے اثر اور ضرر کا اندازہ لگا لیجئے۔ (جو آج عام ہے اور نہ اس سے بچنے کی تدبیر ہے بلکہ ترغیب کا ماحول ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ) علامہ طیبی طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سنن اور آداب کے انوار وبرات دوسروں تک سرایت کرتے ہیں اور ان کے ترک سے فتوحاتِ غیبیہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے کہ اس شخص کی وجہ سے دوسرا شخص خیرات وبرکات اور انوار وتجلیات سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ورضوعنہ پر جو رنگ تھا، وہ سرورِ کائنات منبع الخیرات والبرکات علیہ افضل الصلوات والتحیات کی صحبت کا اثر تھا، مگر اس وقت اس اجنبی صحبت کے اثرات سے بلا اختیار یہ کلمہ زبان سے نکل گیا۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

الغرض یہ کلمہ بارگاہِ خداوندی میں پسند نہ آیا اور بجائے فتح کے پہلے ہی وہلہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْا اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وعَذَبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذٰلكَ جَزَاءُ الكَافِرِين﴾

''اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈال دیا، پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پشت پھیر کر بھاگے، اس کے بعد اللہ نے اپنی خاص تسکین اتاری، اپنے رسول پر اور اہلِ ایمان کے قلوب پر اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔''

لشکرِ اسلام سہ شنبہ کی شام کے وقت وادی حنین میں پہنچا، قبائل ہوازن وثقیف دونوں جانب کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مالک بن عوف نے ان کو پہلے سے ہدایت کر دی تھی کہ تلواروں سے ایک نیام سب توڑ

کر پھینک دو اور لشکرِ اسلام جب ادھر سے آئے تو بیس ہزار تلواروں سے ایک دم ان پر ہلہ بول دو، چنانچہ صبح کی تاریکی میں جب لشکر اسلام اس درہ سے گزرنے لگا تو بیس ہزار تلواروں سے دفعۃً حملہ کر دیا، جس سے مسلمانوں کا لشکر سراسیمہ اور منتشر ہو گیا اور صرف دس بارہ شیدایانِ نبوت اور جاں بازانِ رسالت آپ کے پہلو میں رہ گئے، اس وقت آپ کے ہمراہ ابوبکر و عمر و علی و عباس و فضل بن عباس و اسامہ بن زید اور چند آدمی تھے، حضرت عباسؓ آپ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارث رکاب پکڑے ہوئے تھے۔

(سیرت المصطفیٰ:۲/۵۴۶تا۵۴۹)

الغرض جب قبائل ہوازن و ثقیف نے کمین گاہوں سے نکل کر ایک دم ہلہ بول دیا اور مسلمانوں پر ہر طرف سے بارش کی طرح تیر برسنے لگے تو پیرا کھڑ گئے، صرف رفقاء خاص آپ کے پاس رہ گئے۔ آپ نے تین بار پکار کے فرمایا، اے لوگو! ادھر آؤ میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبداللہ ہوں۔

انا النبی لا کذ ب   انا ابن عبد المطلب

میں سچا نبی ہوں، اللہ نے مجھ سے جو فتح و نصرت اور میری عصمت و حمایت کا وعدہ کیا ہے، وہ بالکل حق ہے، اس میں کذب کا امکان نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباس بلند آواز تھے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آوازیں دیں، انہوں نے بآواز بلند یہ نعرہ لگایا۔

یا معشر ا لا نصار یا اصحا ب السمر ة

''اے گروہ انصار! اے وہ لوگو! جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی۔''

آواز کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹ پڑے اور منٹوں میں پروانہ وار آ کر شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے مشرکین پر حملہ کا حکم دیا، جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی اور میدان کارزار گرم ہو گیا، تو آپ نے ایک مشتِ خاک لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور یہ فرمایا:

" شا ھت الوجو ہ "

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مشت خاک پھینکنے کے بعد یہ فرمایا:

" انھزمو ا ورب محمد "

قسم ہے رب محمد کی انہوں نے شکست کھائی۔

کوئی انسان ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ میں مشت خاک کا غبار نہ پہنچا ہو اور ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں

کے قدم اکھڑ گئے، بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر کر لیے گئے۔اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائیں: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْا اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِىَ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وعَذَبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذٰلكَ جَزَاء الظَّالِمين﴾ (التوبہ) ادھر آپ نے ایک مشت خاک پھینکی اور ادھر بہادران اسلام نے محض اللہ کی نصرت اور اعانت پر بھروسہ کر کے حملہ کیا۔دم کے دم میں کایا پلٹ ہوگئی۔بہادران ہوازن کے باوجود قوت اور شوکت کے پیرا کھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کردیا، دشمن کے ستر آدمی معرکہ میں کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت کچھ مال واسباب ہاتھ آیا۔

(سیرت المصطفیٰ:۲/۵۴۹تا۵۵۱)

پوری بحث کا خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کے ہزیمت کے اہم ترین اسباب یہ ہو سکتے ہیں۔

(۱)اطاعت رسول سے انحراف یا کمزوری:

آج امت کا حال اس سلسلہ میں ناقابل بیان ہے،صحابہ نے تو عمداً یہ سب نہیں کیا،ان سے تو چونک میں ایسا ہوا،مگر آج ہم عمداً علمی وعملی ہر اعتبار سے اطاعت رسول سے انحراف کررہے ہیں،کہیں کوئی صریح آیاتِ قرآنیہ اوراحادیثِ نبویہ کی باطل تاویلات میں لگا ہے تو کوئی بدعت کو سنت جتلانے میں اور سنت کو بدعت ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے،ایسے حالات میں ہمارا حال وہی ہونا چاہیے جو ہو رہا ہے،جب صحابہ سے چوک اور انجان میں ہوا تو وہ عارضی شکست سے دوچار ہوئے،ہم تو عمداً کررہے ہیں؛ لہٰذا طویل ذلت میں گرفتار ہوئے ہیں،علاج سوائے اطاعت کے اور کچھ نہیں ہے۔اللہ ہمیں کامل اطاعتِ رسول کی توفیق عطا فرمائے،آمین یارب العالمین۔

(۲) آپسی اختلاف وانتشار:

جب صحابہ سے بے خیالی میں ایک چوک ہوئی اور آپس میں معمولی اختلاف ہوا،جس میں نہ مار پیٹ ہوئی،نہ گالی گلوج ہوئی نہ سبّ وشتم ہوا،نہ الزام تراشی ہوئی،نہ عزت سوزی ہوئی،نہ کسی نے کسی کو ذلیل کیا،اس کے باوجود''اقرباں رابیش بود حیرانی'' کے اصول کے تحت ان کو عارضی شکست ہوئی،تو آج ہمارا حال کیا ہے؟ کہ دینی دنیوی،گھریلو،خاندانی،معاشرتی،سیاسی،مذہبی،اصولی،فروعی ہر طرح کے اختلافات میں ہم نے تمام حدود پار کردیئے ہیں اور مدِّ مقابل کو اذیت وتکلیف پہنچانے میں کوئی حربہ ہمارے عوام تو عوام خواص بھی نہیں چھوڑتے، جاہل تو جاہل دیندار طبقہ بلکہ علم ودانش سے وابستہ رہنما قسم کے لوگ بھی اس میں کسر نہیں چھوڑتے اور اسے مستحسن

اور جائز ہی نہیں بلکہ واجب تک کا درجہ دیدیتے ہیں!! جو مزید امت کے آپسی اختلاف وانتشار کا سبب ہوتا ہے اور اب تو مسلمان تمام حدود پار کر چکے ہیں۔ ایک اللہ، ایک رسول، ایک کتاب کے ماننے والے ہو کر بھی ایک دوسرے کے ناحق قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے، **إنا لله وإنا اليه راجعون، لا حول ولا قوة الا بالله** ایسے حالات میں کیا ہم ہزیمت اور ذلت سے نبرداز ما ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ حالات تمام تر تدابیر کو اختیار کرنے کے بعد بھی اس وقت تک نہیں بدل سکتے، جب تک کتاب اللہ کے بیان کردہ ان اسباب نصرت کو عملی صورت میں اختیار نہ کیا جائے اور اسباب ہزیمت سے کلی اجتناب نہ کیا جائے، **اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا، اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.**

(۳) حب دنیا:

صحابہ میں تو یہ مادہ نہ ہونے کے برابر تھا، مگر جہاں تھوڑا بھی شائبہ ہوا، اللہ نے عارضی شکست دیکر تربیت کی کہ، ہر حال میں حُبِّ آخرت، حُب دنیا پر مقدم ہونی چاہیے، اب ہمارے ریاستی اور عالمی احوال پر ایک نظر دوڑائیں کہ آج امت کا ہر طبقہ حب دنیا کے مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، مال کمانے میں حرام حلال کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی؛ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس بات سے مطلع کر دیا تھا کہ میری امت فتنۂ مال سے بری طرح دوچار ہوگی۔

محدث کبیر حضرت مولانا یوسف صاحب نے آج سے تقریباً چالیس سال قبل ایک مضمون لکھا تھا "فتنہ جیب فتنہ پیٹ" کے عنوان سے جس میں صاف لکھا تھا کہ امت آج مال کے پیچھے دیوانی ہو گئی ہے، طرح طرح کے نام دیکر حرام صورتوں کو حلال قرار دیا جا رہا ہے، مثلاً سود کو یوژری انٹریسٹ تجارتی سود وغیرہ کے نام سے اور جوا کو لاٹری انشورنس بیمہ وغیرہ کے نام سے، بیع قبل القبض کو وعدۂ بیع کے نام سے، آج زمین ومکان پلاٹ اور فلیٹ کا کاروبار کرنے والے ۹۰ر فیصد ناجائز اور غیر شرعی طریقوں سے معاملات کر رہے ہیں جو کسی صورت میں جائز نہیں، حالاں کہ مومن کے پیش نظر آخرت اور اس کی کامیابی ہونی چاہیے، اللہ ہمیں ہدایت دے اور حرام خوری سے خلاصی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴) اللہ پر اعتماد نہ کر کے اسباب دنیا پر تکیہ:

حضرات صحابہ نے صرف دل میں یہ خیال کیا کہ آج تو ہم زیادہ ہیں، تو اللہ نے عارضی شکست اور غم سے دوچار کیا جب کہ ہمارا حال تو ایسا برا ہے کہ پس پوچھنا ہی کیا خاص طور پر دنیادار اور تعلیم یافتہ طبقہ، تو صرف ظاہری اسباب پر ہی نظر رکھے ہوئے ہیں کہ امت کے پاس ٹیکنالوجی، مال، حکومت، طاقت وغیرہ جب تک نہ آئیں گے

امت تنزلی سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتی!! حالانکہ مسلمان اور مومن کے لیے یہ سراسر غلط نظریہ ہے، سب کچھ ہونے کے باوجود اگر اطاعتِ رسول اور حبِ آخرت جو اساس ہے نہیں ہوں گے کبھی بھی امت مسلمہ کے حالات نہیں بدل سکتے، بلکہ اور برے ہوں گے۔

کیا امت کے پاس آج جو مال ہے، آج جو ٹیکنالوجی ہے، آج جو طاقت ہے، آج جو تعداد افراد ہے؛ وہ پہلے کبھی تھی؟ نہیں مگر پھر بھی اصل اور جڑ کو چھوڑنے کی وجہ سے دن بدن پستی کی طرف جارہی ہے، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ تجارت، زراعت، لین دین اور تمام مالی، سیاسی، معاشرتی وغیرہ معاملات میں، جب تک کامل اتباع شریعت نہیں کریں گے احوال نہیں بدلیں گے۔ **اللھم انا نسئلک رزقا حلالا طیبا**.

یہ تھے امہات الاسباب جس کی وجہ سے امت پچھلے تقریباً دو سال سے پستی کی طرف بڑھتی ہی چلی جارہی ہے تو آیئے ہم سب مل کر موشگافیوں اور بلند و بالا نعروں کے بجائے ربیع الاول کی مناسبت سے چند امور کی زندگی میں جگہ دیتے اور دوسروں کو بھی اس پر آمدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱) توبہ:

آیئے! ہم اللہ سے سچی پکی توبہ کرتے ہیں کہ اب ان شاء اللہ آپ کی نامرضیات والے کام چھوڑ کر مرضیات والے اعمال کو اختیار کریں گے، کیونکہ اے اللہ تو توبہ کو پسند بھی کرتا ہے اور قبول بھی کرتا ہے، اے اللہ ہمیں توبۂ نصوحۃً کی توفیق سے نواز دے، آمین۔

(۲) برے دوست سے قطع تعلق:

صحبت اور دوستی کا انسان پر بڑا زبردست اثر مرتب ہوتا ہے، انسانوں کو اچھی اور نیک صحبت کے لیے انسانوں میں انبیاء کی بعثت بھی ایک سبب ہے، تو آیئے ہم بھی یا تو نیک صحبت اختیار کریں گے، یا یکسوئی سے کسی سے دوستی کئے بغیر اپنا کام کرتے رہیں گے، یہ کام بہت دشوار ہے مگر اللہ پر کوئی چیز بعید نہیں، اے اللہ! ہمیں نیک رفقاء عطا فرما اور برے رفقاء اور اصدقاء سے ہماری حفاظت فرما، آمین۔

(۳) حسن اخلاق اختیار کریں:

آیئے ہم یہ طے کرلیں کہ اسلامی اخلاق کو زندگی کے قدم قدم پر جگہ دیں گے، اسلامی اخلاق کا بنیادی اصول یہ ہے کہ "کسی کو ناحق اذیت اور تکلیف نہ پہنچائی جائے" نہ سامنے، نہ پیٹھ پیچھے، **اللھم حسّن اخلاقنا**۔

(۴) ایمانی شجاعت پیدا کریں:

ایمانی شجاعت کا مطلب حق کے لیے مرٹنا، جان مال آبرو،عزت منصب سب کچھ محض حق کے دفاع یا حق کے نشر کرنے کے خاطر قربان کر دینا بلکہ اہل حق کی حفاظت اور تعاون کی ہر ممکن کوشش کرنا،اے اللہ ہمیں حق پر سب کچھ نچھاور کرنے والا بنادے۔

(۵) علم دین حاصل کریں:

آج دنیا پرستی کے خاطر ہم اپنا پورا وقت صرف کر رہے ہیں اور دین کے لیے تھوڑا سا وقت دینا بھی گراں گزرتا ہے، حالانکہ مؤمن کی شان اس کے برعکس ہونی چاہیے، ہر مسلمان کو فرائض اور عقائد کا علم ہونا ضروری ہے، لہذا عقائد اور نماز روزہ زکوۃ حج وغیرہ کے ساتھ ساتھ جو بھی کام کریں اس کا حکم شرعی ضرور معلوم کریں، تاکہ حلال وحرام کی تمیز ہو سکے اور معلوم بھی مستند علماء سے کریں ہر کس و ناکس اور نا اہل سے نہ کریں۔

(۶) ہر جائز کام کو اتقان کے ساتھ کریں:

غفلت سستی اور لا پرواہی سے کلی اجتناب برتیں اور جو بھی کام کریں اسے خوب سے خوب تر کرنے کی کوشش کریں اور بے ترتیبی اور بد نظمی سے بچنے کی کوشش کریں۔

(۷) ظاہر و باطن کو پاک کریں:

اپنے ظاہر و باطن کو پاک صاف رکھیں، کسی کے بارے میں دل میں کینہ،حسد، بغض وغیرہ نہ رکھیں اور نہ ظاہری اعتبار سی گندگی اور ناپاک خیال کے ساتھ زندگی گزاریں، بلکہ ہمیشہ صاف ستھرا رہنے کی کوشش کریں۔

(۸) ہر حال میں اطاعت رسول کو لازم فرض کریں، اور اسے عملی جامہ پہنائیں۔

برکات نبوت:

برکاتِ نبوت کے عنوان سے آپ نے یہ سوچا ہوگا کہ مَو مبارک وغیرہ کی تفصیل بتلاؤں گا اس میں شک نہیں کہ یہ بھی برکات نبوت ہے، مگر حقیقی برکاتِ نبوت وہ ہے، جس کی نشاندہی حضرت عباسؓ نے کی "**ویلک انھا النبوۃ**" سے، یہ سب نبوت کی برکتیں ہیں یعنی مومن کی کامل کامیابی کا مدار منہجِ نبوت کی اتباع ہے، اگر ہم مسلمانوں کی زندگی میں منہج نبوت آ گیا تو ہمارے دنیا وآخرت کے تمام مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ میں اپنے مضمون کو شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب کے ایک اقتباس پر سمیٹتا ہوں۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَومَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾

''بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کا اور یوم آخرت کا یقین رکھتے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے حقیقی ہدایت ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر نہ صرف یقین رکھتے ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہوں، جو سیرت طیبہ کا مذاکرہ صرف نمود ونمائش یا رسم پُری کرنے کے لیے نہیں، بلکہ ہدایت کی سچی طلب سے کریں، جن کے دلوں میں حق کی تشنگی ہو اور وہ واقعتاً اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہوں۔ اس معیار پر ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کر دیکھ سکتا ہے کہ وہ کس نیت اور کس مقصد سے یہ محفل منعقد کر رہا ہے؟ اور اس میں قرآن کریم کی بیان فرمائی ہوئی یہ شرائط پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

اگر واقعتاً ہدایت کی سچی تڑپ اور اصلاحِ حال کا حقیقی جذبہ لے کر ہم سیرت طیبہ کا مذاکرہ کریں تو ممکن نہیں ہے کہ ہماری عملی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ اگر ہم اتنا ہی تہیہ کرلیں کہ سیرت طیبہ کے ذکر مبارک کے بعد ہم میں سے ہر شخص کم از کم دس ایسی سنتوں پر عمل پیرا ہوگا جن پر وہ پہلے کاربند نہیں تھا، تو تھوڑے ہی عرصے کے اندر ہمارے معاشرے میں انقلاب آسکتا ہے۔ معاشرے کی وہ برائیاں جو ہمیں گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں، ان کے لیے سیرت طیبہ سے ہدایت طلبی ہی مؤثر علاج بن سکتی ہے۔ اگر سیرت طیبہ کی ان محفلوں میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ زندگی اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے حوالے سے ان معاشرتی برائیوں کو موضوع بنایا جائے، کہنے والے کے دل میں دعوت واصلاح کا سوز ہو اور سننے والے اصلاحِ حال کی تشنگی لے کر جائیں، تو ایک ایک کرکے ساری معاشرتی برائیوں کا سدباب ہوسکتا ہے۔

یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے جس پر ہم سب کو دردمندی کے ساتھ غور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت طیبہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس کے حقیقی تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ **اللھم وفقنا لاتباع منھج النبوۃ ومنھج السلف الصالح ووفقنا بالقول والفعل والعمل لما تحب انت ربنا وترضٰی۔**

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

وضاحت

اس سے قبل جو شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس سے متعلق چند امور کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

(۱)......سیرت کا مطالعہ دو طرح سے کیا جاتا ہے، ایک تو بغرض عمل واصلاح نفس اور دوسرے بغرض تحقیق وتصنیف ''علم سیرت ایک تعارف میں سیرت کے مطالعہ کے بہت سے امور ضروری قرار دیے گئے ہیں؛ وہ صرف ان لوگوں کے لیے ہیں، جو سیرت پر تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں، ورنہ جو لوگ سیرت کو بغرض عمل پڑھنا چاہتے ہیں وہ ان شرائط سے مستثنیٰ ہیں، ان کے لیے معتبر اور مستند علما کی سیرت پر لکھی گئی کتابیں کافی وشافی ہیں، مثلاً: حضرت تھانویؒ کی نشر الطیب اور مفتی شفیع صاحبؒ کی سیرت خاتم الانبیاء مختصر پڑھنے کے لیے بے حد مفید ہے، بلکہ ہر اردو داں کو ضرور پڑھنا چاہیے اور تفصیلی مطالعہ کے لیے علامہ ادریس کاندھلویؒ کی ''سیرت المصطفیٰ'' جو تقریباً ۳ر جلدوں میں ہے، وقت نکال کر اسے بھی پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، جو تفصیلی تحقیق کا شاہکار نمونہ ہے، ویسے تو بہت سی کتابیں سیرت پر اردو میں لکھی گئی ہیں، مگر قلیل الاستعداد علما وطلبا اور عوام الناس کو تحقیق اور کسی صحیح الفکر والعقیدہ مستند عالم سے دریافت کر کے ہی کوئی بھی کتاب پڑھنی چاہیے۔

(۲)......اصول سیرت نگاری کے عنوان سے مضمون میں آثار قدیمہ اور علم التقویم کے متعلق جو کہا گیا کہ، تاریخ کی تدوین میں علم آثار قدیمہ، اور علم التقویم اہم رول ادا کر رہا ہے، شاہراہ علم ص ۱۳۴ر پر اس کی کوئی خاص اہمیت اور ضرورت نہیں یہ شرعی اصول مثلاً حدیث، تفسیر کے ہم پلّہ ہے، کیوں کہ علم آثار مخفی، اور ظنیات ہوتے ہیں، اور اصول شریعت یقینیات کے قبیل سے یا کم از کم ظن غالب کے قبیل سے ہیں، اور علم آثار وغیرہ ظنیات سے زیادہ وہمیات کے قبیل سے ہے، لہٰذا اس کی کوئی خاص وقعت نہیں، ہاں اگر کہیں اصول شریعت کے موافق ہو تو ٹھیک ہے؛ ورنہ تصادم اور تعارض کی صورت میں اصولِ شریعت ہی مقدم ہوں گے اور یہ حتمی فیصلہ ہے۔

(۳)......ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بعض اقتباسات ہم نے احتیاط کے ساتھ شامل کیے تھے، مگر یہ بات پیش نظر رہے کہ موصوف کے افکار پر جدت پسندی کے آثار نمایاں ہیں؛ لہٰذا بے دھڑک ان کی کتابوں کے مطالعہ سے قلیل الاستعداد علما اور طلبہ اور عوام الناس کو پرہیز کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ آئندہ کسی شمارے میں موصوف کے نظریات پر تفصیلی یا اجمالی روشنی ڈالی جائے گی۔

سیرت پر مستند علما کی اردو کتابیں: (۱) آداب النبی ﷺ مفتی شفیع صاحبؒ (۲) آفتاب نبوت ﷺ قاری طیب صاحبؒ (۳) ہادئ عالم ﷺ (۴) جدید سیرت النبی ﷺ مفتی عبد الستار صاحبؒ (۵) رحمۃ للعالمین ﷺ مفتی سلمان صاحب منصور پوری (۶) سیرت سرور کونین ﷺ مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ (۷) اسوہ رسول اکرم ﷺ ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ (۸) ذکر حبیب ﷺ مولانا عبد القوی صاحب (۹) ذکر مبارک آقاء نامدار ﷺ شیخ زکریاؒ (۱۰) نبی رحمت ﷺ مولانا علی میاں ندویؒ (۱۱) قرآن کریم میں رسول اکرم ﷺ کا عالی مقام مولانا عبد الرحمٰن کوثر صاحب

رسول اللہ ﷺ کی ولادت، نسب نامہ اور مختصر حالات

بقول صاحب معارف بہلوی آپ کی ولادت باسعادت:

''پیر کے دن ربیع الاول کے مہینے میں، جس سال ایک کافر بادشاہ ہاتھی لے کر کعبہ شریف کے گرانے کے واسطے آیا تھا، آپ ﷺ پیدا ہوئے''

موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹/ربیع الاول سنہ ایک، اور واقعہ اصحاب الفیل کے ۵۵/دن کے بعد مطابق ۲۲/اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ ۶۲۸/بعد از صبح صادق قبل از طلوعِ آفتاب اس عالم ظلمانی کو روشن فرمایا۔

(سیرت، محمد سلیمان منصور پوری) [معارف بہلوی]

دوشنبہ کا دن حضور ﷺ کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے، ولادت، نبوت، ہجرت اور وفات سب ہی اسی دن ہوئے۔

بقول ابن طرہونی آپ کی ولادت باسعادت:

''مشہور یہ ہے کہ آپ عام الفیل (ہاتھی کے حملے والے سال) ۱۲/ربیع الاول کو سوموار کے دن مکہ مکرمہ میں یتیم پیدا ہوئے۔'' (صحیح السیرۃ النبویۃ لابن طرہونی: ص/۲۷۱-۲۷۶)

محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فِہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا اتنا ہی نسب بیان کیا ہے۔[صحیح بخاری: ص/۶۸۰، کتاب مناقب الانصار، باب مبعث النبی ﷺ، قبل الحدیث: ۳۸۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت] اور یہی علماء کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اس سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک بہت اختلاف ہے، کوئی قابل اعتماد بات نہیں ملتی، البتہ یہ بات متفقہ ہے کہ عدنان حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہی کی نسل سے ہیں۔ [صحیح مسلم: ۳۸۰/۷، رقم الحدیث: 2276 / ۵۸۹۷] رسول اللہ ﷺ کے ننھیال بنو زہرہ ہیں۔ [صحیح بخاری: ص/۶۲۶، رقم الحدیث: ۳۵۰۵، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، بیروت، فتح الباری لابن حجر عسقلانی: ۶۵۳/۶، مکتبۃ دار السلام الریاض، فیض الباری: ۴۲۴/۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت، عمدۃ القاری: ۱۰۶/۱۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، مکمل و مدلل عکسی اختری بہشتی زیور: ۲/۸، کتب خانہ اختری متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی]۔

آپ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب اس خاندان سے تھیں، اُن کا نسب کلاب بن مُرّہ پر آپ ﷺ کے نسب سے جاملتا ہے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن حبان:ص/۴۴)

اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ تھا کہ آپ حسب ونسب کے لحاظ سے تمام انسانوں سے اعلیٰ اور اقدس ہوں اور اپنی قوم، قبیلہ اور خاندان کے لحاظ سے سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہوں، اس کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے: " إن الله عزّ وجلّ اصطفى كِنانةَ من وَّلَدِ اسماعيلَ عليه الصلاة والسلام ، واصطفى قريشًا من كِنانةَ ، واصطفى من قريشٍ بني هاشمٍ ، واصطفاني من بني هاشمٍ "

''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو چُنا، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا''۔ (صحیح مسلم:۷/۳۸۰، رقم الحدیث: 2276 / ۵۸۹۷، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ وتسلیم الحجر علیہ قبل النبوۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت، تکملۃ فتح الملہم:۱۰/۴۱۳، رقم الحدیث:۵۸۹۷، داراحیاء التراث العربی بیروت، مسند احمد:۱۶۹۸۴، ترمذی:۳۶۰۵-۳۶۰۶، ابن حبان، طبرانی فی الکبیر، دلائل النبوۃ للبیہقی)

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین مخلوق میں رکھا، پھر جب اُن کے دو گروہ (عرب وعجم) بنائے تو مجھے بہترین گروہ (عرب) میں رکھا، پھر جب قبائل بنائے تو مجھے بہترین قبیلے (قریش) میں رکھا، پھر جب (قریش کے) خاندان بنائے تو مجھے بہترین خاندان (بنو ہاشم) میں رکھا، لہٰذا میں نسبی اور خاندانی لحاظ سے سب لوگوں سے بہترین ہوں''۔ [ہذا حدیث حسن] (جامع الترمذی:۴/۴۲۱، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل النبی ﷺ، رقم الحدیث:۳۶۰۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت، دلائل النبوۃ للبیہقی:۱/۱۶۸)

قیصر کے دربار میں ابوسفیان آپ ﷺ کے نسب کی عظمت اور برتری کا انکار نہ کرسکے، باوجود اس کے کہ وہ اس وقت آپ کے شدید دشمن تھے، پھر بھی انہوں نے اعتراف کیا کہ'' آپ ہم میں بلند نسب والے ہیں''۔

(صحیح بخاری:ص/۲۴، ۲۵، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث:۷)

حضرت محمد ﷺ کا نام آپ کے دادا حضرت عبد المطلب اور والدہ حضرت آمنہ بنت وہب نے اپنے خاندان کے ناموں سے جداگانہ رکھا، اُن کی خواہش تھی کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف فرمائے اور زمین پر ساری مخلوق آپ کی توصیف میں رطب اللسان رہے۔ (فتح الباری:۱۵/۳، دلائل النبوۃ للبیہقی:۱/۱۶۱)

اعلیٰ نسب کی حکمتیں اور فوائد:

عربوں کا مزاج اور رواج یہ تھا کہ، وہ کسی ایسے شخص کی بات نہیں سنتے تھے، جو اعلیٰ نسب کا حامل نہ ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اُس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ سب سے عالی نسب ہوں، تا کہ دشمنانِ اسلام لوگوں کو دینِ اسلام سے روکنے کے لیے اس معاملے کو ہتھکنڈہ نہ بنا سکیں، اور کسی کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ یہ نبی اپنے دعوائے رسالت کے ذریعے سے اپنی معاشرتی حیثیت بلند کرنا چاہتا ہے۔

☆ رسول اکرم ﷺ کے عرب ہونے کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان عربوں سے بحیثیتِ قوم محبت رکھے، البتہ ہر فرد کے ساتھ محبت رکھنا ضروری نہیں، کیوں کہ افراد تو اسلام سے منحرف بھی ہو سکتے ہیں، اس صورت میں اُن کے افعال سے نفرت ہوگی نہ کہ قومِ عرب سے۔ (سیرتِ نبوی ﷺ:ص/ ۱۵۵-۱۵۷)

ختنہ اور نام:

آپ کے ختنے کے بارے میں علماء کرام میں اختلاف ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے، بعض کہتے ہیں کہ آپ کے دادا محترم نے آپ کی ولادت کے ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا، قبیلے کی دعوت کی اور آپ کا نام محمد رکھا۔[الطبقات الکبریٰ:۱/۱۰۳] لیکن قدیم کبار محققین کے نزدیک قابلِ ترجیح یہی ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے۔[دلائل النبوة لابی نُعیم:۱/۱۵۴، المستدرک للحاکم:۲/۶۰۲، السیرة النبویة لابن حبان:ص/ ۵۸، السیرة الشامیة:۱/۴۲۰، ۴۲۱، صحیح السیرة النبویة طرہونی]

جب آپ کے دادا محترم سے پوچھا گیا کہ آپ نے مشہور خاندانی نام چھوڑ کر یہ جداگانہ نام کیوں رکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میری تمنا ہے کہ، اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور ساری مخلوقِ زمین میں اس کی تعریف وستائش کرے۔ (فتح الباری:۱۵/۳)

رسول اللہ ﷺ اس نام کے علاوہ دیگر ناموں سے بھی معروف تھے، آپ ﷺ کا اپنا فرمان ہے:

"**إن لي أسماءً : أنا محمدٌ ، وأنا أحمدُ ، وأنا الماحِي الذي يمحُو اللهُ بي الكُفرَ ، وأنا الحاشرُ الذي يُحشَرُ الناسُ على قدمِي ، وأنا العاقِبُ**" "میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا، میں حاشر ہوں جس کے قدموں (کے نشانات) پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، میں عاقب (آخری نبی) ہوں۔"

راویٔ حدیث زہری کہتے ہیں کہ عاقب سے مراد یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(صحیح بخاری:ص/ ۸۹۵، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿من بعدی اسمہ احمد﴾، رقم الحدیث:۴۸۹۶، صحیح مسلم: ۷/ ۱۴۴۱، کتاب الفضائل، بابٌ فی أسمائہ ﷺ، رقم الحدیث:۲۳۵۴)

ابن سعد رحمہ اللہ نے دو اور نام بھی روایت کیے ہیں:

''مقفّی (پیچھے آنے والا) اور ''نبی الرحمۃ'' (اس حدیث میں ایک اور نام ''نبی التوبۃ'' کا ذکر بھی ہے)۔

(صحیح مسلم: ۷/۴۴۲، کتاب الفضائل، بابٌ فی أسماءہ ﷺ، رقم الحدیث: ۲۳۵۵)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''نبی الملاحم'' کا اضافہ کیا ہے۔[الشمائل المحمدیۃ للترمذی: ص/۲۴، باب ما جاء فی أسماء رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۶، قدیمی] کئی ایک احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے آپ کا نام ''احمد'' رکھا، ابن سعد نے حسن سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" سُمِّیتُ أحمدَ "

''میرا نام احمد رکھا گیا تھا۔'' (الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۰۴)

''محمد'' اور ''احمد'' دونوں نام قرآن مجید کی نصوص سے ثابت ہیں۔

(آل عمران: ۱۴۴، الاحزاب: ۴۰، محمد: ۲، الفتح: ۲۹، الصّف: ۶)

محترمہ آمنہ نے خواب میں دیکھا، ان سے کہا گیا کہ تمہارے بطن میں وہ بچہ ہے، جو مخلوق میں سب سے بہترین اور سب جہانوں کا سردار ہے، جب یہ بچہ پیدا ہو تو اس کا نام ''احمد'' اور ''محمد'' رکھنا......۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۱/۳۶، ۳۷)

حضرت آمنہ بیان فرماتی تھیں کہ، جب میں حاملہ ہوئی اور محمد نے میرے بطن میں سانس لیا تو مجھ سے کہا گیا:

'' جب یہ بچہ پیدا ہو تو اُس کا نام ''محمد'' رکھنا، کیوں اس کا نام تورات و انجیل میں ''احمد'' ہے، زمین و آسمان کے سب لوگ اس کی تعریف کریں گے اور اس کا نام قرآن مجید میں ''محمد'' ہوگا۔''

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۱/۲۱۰، دلائل النبوۃ للبیہقي: ۱/۱۱۱، ۱۱۲)

نیز آپ ﷺ کی والدہ نے آپ کے دادا عبدالمطلب کو بتا دیا تھا کہ، مجھے اس بچے کا یہ نام رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، تو انہوں نے چند شعر کہے جن کا آخری مصرع ہے:

" أحمدُ مكتوبٌ على اللسانِ "

''لفظ احمد منجانب اللہ زبان پر رکھا گیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔[صحیح مسلم:۷/ ۲۳۹،کتاب الآداب، باب النهی عن الكنی بأبی القاسم وبیان ما یستحب من الأسماء، رقم الحدیث:۲۱۳۳،مسند احمد:۲/ ۴۳۳،۳/ ۳۰۱،الطبقات الکبریٰ:۱/ ۱۰۷] آپ ﷺ نے فرمایا:'' میرے نام پر اپنا نام تو رکھ سکتے ہو،مگر میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھو۔''[بخاری، رقم الحدیث:۶۱۸۷]

حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی کنیت ''ابوابراہیم'' رکھی تھی لیکن آپ نے اپنی معروف کنیت ترک کرنی پسند نہ فرمائی۔[تاریخ دمشق الکبیر:۱/ ۲۷-۳۶]

اس امر پر علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اب رسول اللہ ﷺ والی کنیت رکھی جا سکتی ہے؟ اور کیا آپ کے نام اور کنیت دونوں کسی شخص کے لیے اکٹھے کیے جا سکتے ہیں؟ جواب میں کہا گیا ہے:'' آپ ﷺ والی کنیت کی ممانعت صرف آپ کی زندگی میں تھی، البتہ آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرنا درست نہیں''۔[تاریخ دمشق الکبیر:۱/ ۲۶-۳۴]

(سیرتِ نبوی ﷺ:ص/ ۱۵۸،۱۶۱)

یتیمی کی حکمت:

❁ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ یتیم پیدا ہوں اور اپنے والد، والدہ اور دادا کے دائرۂ تربیت سے دور رہیں، آپ ﷺ کے والدِ محترم تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے، پھر آپ ﷺ نے اپنے ابتدائی بچپن کا اکثر حصہ اپنے خاندان سے دور بنوسعد کے صحرا میں بسر کیا، وہاں سے واپس آئے تو کچھ مدت بعد ہی آپ ﷺ کی والدہ بھی انتقال کر گئیں، آپ ﷺ ان کی خدمت میں بہت کم رہے، اور والدہ محترمہ کی وفات کے کچھ عرصے بعد آپ کے دادا بھی اللہ کو پیارے ہو گئے، یقیناً اس میں کئی حکمتیں ہوں گی، سب سے بڑی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی باطل پرست دلوں میں یہ شک پیدا نہ کر سکے اور لوگوں کے دلوں میں یہ وہم نہ ڈال سکے کہ آپ ﷺ نے اپنی دعوت و رسالت کا سبق بچپن ہی سے اپنے والدین یا دادا سے حاصل کیا تھا؛ تاکہ نبوت کا کھٹ راگ رچا کر دنیا میں عزت و جاہ حاصل کر سکیں، کیوں کہ آپ کے دادا محترم کو اپنی قوم میں قابلِ فخر مقام حاصل تھا، حاجیوں کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی سعادت اور عہدے انہیں حاصل تھے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام:۱/ ۱۹۲،فقہ السیرۃ النبویۃ للبوطی:ص/ ۵۰،۵۱)

❁ آپ کی یتیمی میں ہر دور اور ہر مقام کے یتیموں کے لیے یہ اسوہ ہے کہ، یتیمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عذاب نہیں کہ، وہ یتیم کو اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے سے روک دے۔ (سیرتِ نبوی ﷺ:ص/ ۱۶۶،۱۶۷)

رسول اللہ ﷺ کا دورِ رضاعت:

تمام مؤرخین کے نزدیک مشہور ہے کہ آپ ﷺ کو دودھ پلانے والی خواتین میں سے ممتاز حضرت حلیمہ بنت ابی ذؤیب سعدیہ ہیں، وہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ اپنی قوم بنوسعد کے علاقے میں لے گئیں اور آپ اُن کے پاس چار سال رہے، پھر وہ آپ ﷺ کو واپس آپ کی والدہ محترمہ کے پاس چھوڑ گئیں۔

جب تک آپ رسول اللہ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ کے زیرِ نگرانی رہے آپ کی برکت، حفاظت اور خصوصیت کی بہت سی علامات سامنے آتی رہیں، مثلاً آپ ﷺ کی اُن میں تشریف آوری سے اُن کی چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں، چناں چہ آپ ﷺ بھی سیر ہو کر دودھ پیتے تھے اور آپ کا رضاعی بھائی بھی، جب کہ اس سے پہلے وہ بھوک سے بلکتا رہتا تھا، کیوں کہ حضرت حلیمہ کا دودھ خشک ہو چکا تھا، نہ وہ خود سوتا تھا، نہ گھر والوں کو سونے دیتا تھا، اور ان کی اونٹنی کے تھن بھی، جو پہلے خشک تھے، دودھ سے بھر گئے، سارا گھر خوب دودھ پیتا تھا، سواری والی گدھی بھی بہت قوی اور چست ہوگئی، وہ پورے قافلے سے آگے آگے چلنے لگی، جب کہ پہلے وہ تھکی ماندی پورے قافلے سے بہت پیچھے رہ جاتی تھی، پھر جہاں حلیمہ کے جانور چرنے جاتے وہاں انہیں چرنے کو خوب سبزہ ملتا، جب کہ دوسرے لوگوں کے جانور خالی پیٹ واپس آتے، آپ ﷺ عام بچوں کے برعکس تیزی سے نشوونما پا کر بڑھ رہے تھے۔

دیہات میں دودھ پلانے کی حکمت:

شہر میں رہنے والے عربوں کی عادت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلوانے کے لیے دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ شہری بیماریوں سے محفوظ رہیں، اُن کے جسم مضبوط ہو جائیں اور وہ بچپن ہی سے اپنے آپ پر اعتماد کرنے کے عادی ہو جائیں، ماؤں، نانیوں، دادیوں اور دوسرے رشتہ داروں کے لاڈ پیار سے بچے رہیں، اور اُن کی زبان لہجے کی خرابیوں اور غلطیوں سے محفوظ رہے۔ (الروض الأنف: ۱/ ۱۸۷، ۱۸۸)

بادیہ بنی سعد میں رضاعت اور واقعۂ شقِ صدر:

بنوسعد کے علاقے میں پرورش کے دوران میں رسول اللہ ﷺ کی شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، اُس وقت آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، انہوں نے آپ کو پکڑا اور زمین پر لٹالیا، پھر سینہ چاک کر کے آپ کا دل نکالا، دل چیر کر اُس میں سے ایک ٹکڑا نکالا اور کہا: ''یہ رہا شیطان کا حصہ'' پھر دل کو سونے کے ایک تھال میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا، پھر

اُسے سی کر دوبارہ اُس کی اصل جگہ رکھ دیا، دوسرے بچے بھاگتے ہوئے آپ ﷺ کی رضاعی ماں کے پاس گئے اور شور مچانے لگے کہ ''محمد کو قتل کر دیا گیا'' گھر والے بھاگتے ہوئے آئے تو آپ ﷺ اُن کو سامنے سے آتے دکھائی دیئے، آپ کا رنگ اُڑا ہوا تھا''، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں سلائی کے نشانات آپ کے سینۂ مبارک پر دیکھا کرتا تھا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث:۱۶۲)

بعض عقلیت پرست مستشرقین اور اُن سے مرعوب مسلمان مؤرخین نے شقِ صدر کے واقعے کی تاویل کی ہے کہ، یہ معنوی چیز تھی اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، بعض نے تو اسے محض ایک کہانی قرار دیا ہے۔

[السیرۃ النبویۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ لأبی شہبۃ:۱/ ۱۹۹-۲۰۳]

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ ''سینہ چیرنے، دل کے نکالنے اور دوسرے خرقِ عادت واقعات کے بارے میں، جو تفصیلات روایات میں موجود ہیں ان کو حقیقتِ واقعی تسلیم کرنا ضروری ہے، ان کی دوراز کار تاویلات کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ معجزات، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور مافوق الفطرت معجزے کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے محال نہیں ہے''۔[فتح الباری:۱۵/۵۲]

ہر مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کسی روایت کی قبولیت کا معیار اُس کا صحیح سند کے ساتھ ثبوت ہے، اگر کوئی واقعہ صحیح سند سے ثابت ہے، تو اس کی غیر حقیقی تاویل کا کوئی فائدہ نہیں، جیسا کہ عقلیت پرست مستشرقین حقائق کا انکار کر کے اُن کی قبیح عقلی تاویلیں کرتے ہیں۔

شقِ صدر اور بچپن میں بکریاں چرانے کی حکمت:

- یہ واقعہ محمد ﷺ کی رسالت کا اظہار تھا اور اس کا مقصد آپ ﷺ کو بچپن ہی سے معصوم بنانا اور وحی کا بار اٹھانے کے لیے تیار کرنا تھا، اسے مادی صورت میں اسی لیے ظاہر کیا گیا کہ لوگوں کے لیے آپ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنا آسان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان لوگوں کی آنکھوں اور کانوں تک پہنچ جائے۔ [فقہ السیرۃ النبویۃ للبوطی:ص/۵۲]
- رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا بار اٹھانے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔
- اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری اٹھائی کہ، وہ اپنے رسول کو انسان کے طبعی اغلاط سے پاک کرے گا اور شیطان کی ریشہ دوانیوں سے اس کی حفاظت کرے گا، واقعۂ شقِ صدر کا ایک مقصد اس ذمہ داری اور عہد کا اظہار بھی تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بسند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ما بعث اللهُ نبيًّا إلا رَعَى الغَنَمَ " فقال أصحابه : وأنتَ ؟ فقال : " نعم ! كُنتُ أرعاها على قَراريطَ لأهلِ مكةَ"

''جو بھی نبی گزرا ہے اس نے بکریاں چرائی ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: جناب رسول ﷺ! آپ نے بھی؟ فرمایا: ہاں! میں اجرت لے کر اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔'' [صحیح بخاری، کتاب الإجارة، باب رعی الغنم علی قراریط، رقم الحدیث:۲۲۶۲]۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکریاں چرائی ہیں۔ [بخاری، کتاب الأطعمة، باب الکباث وھو ثمر الأراک، رقم الحدیث:۵۴۵۳، مسلم، کتاب الأشربة، باب فضیلة الأسود من الکباث، رقم الحدیث:۲۰۵۰]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اہلِ علم نے کہا ہے کہ نبوت سے قبل انبیائے کرام کے دلوں میں بکریاں چرانے کا شوق پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ، بکریاں چرانے سے ان کو اپنی امت کو سدھارنے کا فریضہ انجام دینے کی مشق ہو جائے، کیوں کہ یہ ایسا کام ہے جس سے ان میں حلم وشفقت کے جذبات پیدا ہوں گے، بکریاں چرانے میں بڑا صبر کرنا پڑتا ہے، مثلاً: ان کو چرانا، چراگاہ میں ان کے اِدھر اُدھر بکھر جانے کے بعد ان کو اکٹھا کرنا، ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ میں لے جانا، درندوں اور چوروں سے ان کی حفاظت کرنا، ان کی مختلف طبیعتوں کو سمجھنا، ان کا بار بار بکھر جانا، ان کی فطری کمزوری کی بنا پر ان کا بہت خیال رکھنا، یہ سب ایسے کام ہیں کہ ان کی وجہ سے انبیا علیہم السلام کو اپنی امت کی تربیت ورہنمائی کے معاملے میں صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کا خود اپنی ہی زبان مبارک سے بکریاں چرانے کا تذکرہ کرنا اس حقیقت کی بڑی مستند پہچان ہے کہ، آپ انتہائی متواضع اور احسان شناس شخصیت تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انسانوں میں سب سے بڑھ کر معظم ومشرف بنایا تھا، لیکن پھر بھی آپ کی ذاتِ گرامی میں بے حد انکسار تھا۔ [فتح الباری:۱۰/۶،۵]

آپ کے بکریاں چرانے سے ہمیں آپ کے ذوقِ سلیم اور احساسِ ذمہ داری کا اندازہ ہوتا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو متصف فرمایا تھا کہ جونہی آپ کو اندازہ ہوا کہ میں کچھ کام کرنے کے قابل ہو گیا ہوں، آپ نے اپنے چچا محترم سے اُن کا بوجھ بٹانے کے لیے خود کام کاج شروع کر دیا، آپ ﷺ کے چچا محترم عیالدار شخص تھے، تاہم انہوں نے آپ ﷺ کے لیے زندگی کے بہترین وسائل مہیا کر رکھے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے ہرگز مشکل نہ تھا کہ، وہ آپ ﷺ کے لیے راحت بخش زندگی بسر کرنے کے تمام وسائل

خود مہیا کر دیتا اور آپ کو روزی کی دوڑ دھوپ اور محنت ومشقت سے بے نیاز کر دیتا، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ انسان کا بہترین مال وہ ہے، جو وہ اپنی محنت ومشقت سے کمائے اور مفید انسان وہ ہے، جو اپنی طاقت اور بساط کے مطابق معاشرے کو اپنی خدمات سے فیضیاب کرے، اسی سے انسان کی شان وشوکت قائم ہوتی ہے۔

دعوت اور تبلیغ وتحریک کا کام کرنے والے اُس وقت تک اپنا وقار قائم نہیں رکھ سکتے، جب تک اپنی روزی خود نہ کمائیں، اگر اُن کا گزارا لوگوں کے عطیات وصدقات اور خیرات پر ہوگا، تو وہ لوگوں کے نزدیک بے وقعت ہوکر رہ جائیں گے، اسی لیے ہر صاحبِ دعوت کے لیے ضروری ہے کہ، اپنی معیشت کے سلسلے میں وہ اپنی ذات اور محنت پر اعتماد رکھے اور مانگنے سے پرہیز کرے؛ تاکہ دنیوی طور پر کسی شخص کا اس پر کوئی احسان نہ رہے اور وہ اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ پوری قوت اور بے باکی سے ادا کر سکے۔

[فقہ السیرۃ النبویۃ للبوطی: ص/۵۴،۵۵] (سیرت نبوی ﷺ: ص/ ۱۶۸تا۱۸۱، ملخصاً)

حضرت محمد ﷺ کی صفات کے متعلق اہل کتاب کے اقوال کی حکمت:

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عطاء بن یسار کی حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے۔قرآن مجید کی یہ آیت:

﴿یآیھا النبيُّ انا أرسلنک شاھدًا و مُبشِّرًا و نذیرًا﴾

''اے نبی! ہم نے تمہیں خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور گواہ بنا کر بھیجا ہے''۔ [الاحزاب: ۴۵]

تورات میں یوں آتی ہے:

'' اے نبیٔ کریم! ہم نے تمہیں خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور گواہ بنا کر بھیجا ہے اور امیوں (عربوں) کے لیے پناہ بنایا ہے، تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، نہ تم بدخلق ہو، نہ سخت طبیعت، نہ بازاروں میں شور مچانے والے، تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے ہو اور درگزر کرتے ہو، اللہ اس کی روح قبض نہیں کرے گا، جب تک اس کے ذریعے سے ایک گمراہ امت کو راہِ راست پر نہ لے آئے، یہاں تک کہ وہ پکار اٹھیں: ''لا الہ الا اللہ'' پھر اللہ تعالیٰ اس کلمہ کے ساتھ اندھی آنکھیں، بہرے کان اور بند دل کھول دے گا''۔

[بخاری، کتاب التفسیر، باب: إنا أرسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا، رقم الحدیث: ۴۸۳۸]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا سبب یہی بنا تھا کہ، وہ نبیٔ کریم ﷺ کی باتیں اور علامات وصفات یہودی علماء اور عیسائی راہبوں سے پوچھتے رہتے تھے، بہت سے دوسرے صحابہ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا، یہ بات بھی معروف ہے کہ اہلِ کتاب نے بعد میں اپنی کتابوں سے رسول اللہ ﷺ کی صفات مٹانے کی کوشش کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لیں''۔ [البقرۃ:۷۹]

نیز اس فرمان میں ہے:

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس (کتاب) تورات کی، جو مجھ سے پہلے ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے، پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ بولے: یہ تو کھلا جادو ہے''۔ [الصّف:٦]

فرمانِ الٰہی ہے:

''وہ لوگ جو اس رسول امی، نبی کی پیروی کرتے ہیں، جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں''۔ [الأعراف:۱۵۷]

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اے اہلِ کتاب! ہمارا رسول آ چکا ہے، وہ تمہارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے؛ جنہیں تم چھپائے بیٹھے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ چکی ہے''۔ [المائدۃ:۱۵]

لیکن وہ اپنی کوششوں کے باوجود پوری حقیقت کو نابود نہیں کر سکے؛ جیسا کہ ان عبارات سے واضح ہوتا ہے، جو عیسائیوں کی بعض انجیلوں میں اب تک موجود ہیں، جن میں ''نبی منتظر'' کا نام، اس کی صفات اور زمان ومکان تک کی واضح نشاندہی موجود ہے۔ [قراءۃ جدیدۃ للسیرۃ النبویۃ للدکتور قلعجی: ص/ ۳۹] جن لوگوں نے براہِ راست اس موضوع (حضرت محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کے بارے میں تورات وانجیل کی بشارتیں) پر تفصیل سے لکھا ان کے نام اور کام حسبِ ذیل ہیں:

پروفیسر ابراہیم خلیل احمد:- یہ پہلے مصر کے بڑے پادری تھے، ان کا سابقہ نام ابراہیم خلیل فلپس تھا، چالیس سال پہلے جب انہوں نے اسلام اور دوسرے آسمانی ادیان کا تقابلی مطالعہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نصیب فرمائی، انہوں نے اپنے مطالعے کے نتائج اپنی کتاب "محمد فی التوراۃ والانجیل والقرآن" میں تفصیل سے لکھے ہیں، ان کو عہد نامۂ قدیم (تورات) اور عہد نامۂ جدید (انجیل) کی گہری واقفیت حاصل تھی، جس کی مدد اور صحیح مطالعے اور تجزیے سے، وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام ہی دینِ حق ہے، چناں چہ انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا؛ بلکہ اس کے عظیم داعی بھی بن گئے، وہ اپنے اس گرانقدر مقالے میں لکھتے ہیں:

"ہم اس تنقیدی اور تفصیلی جائزے کے بعد آسانی سے مکمل اور صحیح صورتِ حال بیان کرسکتے ہیں، جو" کتاب مقدس" کی صریح عبارات سے حاصل ہوتی ہے، جس پر کوئی تحریف، تغیر یا تبدیلی اثر انداز نہیں ہوئی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی خاطر ان باتوں کو محفوظ رکھا ہے، اسی بنا پر ہم "رسول نبی اُمی" کی نمایاں تصویر حاصل کرسکتے ہیں، جو تورات وانجیل میں اہلِ کتاب کے ہاں واضح لکھی ہوئی پائی جاتی ہے۔" "یہ" رسول اُمی" اپنی واضح اور بلند پایہ خوبیوں کے باعث ممتاز نظر آتے ہیں، یہ خصوصیات دو طرح کی ہیں:

اولاً: محمد ﷺ آخری رسول اور نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ثانیاً: محمد ﷺ تمام جہانوں کے لیے اللہ کے آخری رسول ہیں، کیوں کہ:

- آپ ﷺ مضبوط حکمران اور رحم دل شخصیت ہیں۔
- آپ ﷺ امتِ مسلمہ کی بنیاد حق اور نیکی پر رکھنے والے ہیں۔
- آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام امتوں کے لیے نورِ ہدایت ہیں۔
- آپ ﷺ قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے واضح نسلی تعلق رکھتے ہیں۔

(اشعیاء: ۴۲/۱-۱۱)

- آپ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھائی ہیں، اس لحاظ سے اسماعیل علیہ السلام تمام عبرانیوں کے چچا لگتے ہیں۔
- آپ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے، وہ تمام وعدے پورے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے کیے۔
- آپ ﷺ کی بدولت زمین کی تمام قوموں کو برکت حاصل ہوئی۔

- آپ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حقیقی وارث ہیں، اور اسماعیل حضرت ابراہیم علیہا السلام کے پہلوٹے بیٹے تھے، چناں چہ آپ ﷺ ہی ''بڑے حصے'' کے حقدار ہیں۔
- آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست وحی حاصل کرنے والے ہیں۔

(تکوین:۱۷/۲۰-۲۲،۲۲/۱۶-۱۸،تثنیہ:۲۱/۱۵-۱۷،۱۸/۱۵-۱۹)

- آپ ﷺ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کی رسالت کے اختتام پر تشریف لائے۔
- آپ ﷺ نے حضرت مسیح کے صاحبِ ایمان پیروکاروں کو تسلی اور ہدایت دی۔ (یہ فارقلیط کا مفہوم ہے، اسے انگریزی میں Paraclete اور عبرانی زبان میں الباراقلیط کہتے ہیں)
- آپ ﷺ کے افعال، اقوال اور خصائل بہ بانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ آپ ہی ''محمد'' ہیں۔ (انگریزی میں ''محمد'' کو The Praised One (Pericyti) کہا گیا ہے)
- آپ ﷺ صادق وامین ہیں، صدق وامانت میں آپ کی شہرت عالم گیر ہے۔
- آپ ﷺ کا پیغام اور رسالت ابدی اور دائمی ہے۔
- آپ ﷺ کامل حق کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔
- آپ ﷺ نے حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام اور اُن کی والدہ محترمہ کا پورا پورا دفاع کیا اور اُن کے بارے میں شبہات دور کیے (وہ میری بزرگی بیان کریں گے)۔ (انجیل یوحنا:۱۴/۱۶،۱۷و۱۴/۴۵و۱۴/۲۶،و ۱۵/۲۶،۲۷و۱۶/۱۳،۱۴)

مندرجہ بالا مختصر شواہد سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ، یہ آخری نبی دوسرے عبرانی انبیاء سے کم از کم تین بنیادی امور میں ممتاز ہیں:

- وہ آخری نبی عالمگیر رسالت کا حامل ہوگا۔
- وہ حقیقتاً آخری نبی ہوگا، اس کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی نہیں رہے گی۔
- وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا، جسے بنو اسرائیل نے اپنے سے جدا کر دیا تھا، نیز قیدار بن اسماعیل کی نسل سے ہوگا۔ (انجیل یوحنا:۱۶/۱۲-۱۴،اشعیاء:۶۰/۱-۷)

(یہ حقائق جن کی نقاب کشائی پروفیسر ابراہیم نے کی ہے، عام لوگوں سے اوجھل ہیں، اس لیے یہ کتاب مطالعے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے)، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس (نبی) کو اسی طرح پہچانتے ہیں، جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور بے شک ان میں سے ایک گروہ ضرور حق کو چھپاتا ہے، حالاں کہ وہ جانتے ہیں''۔ [البقرۃ:۱۴۶]

اور فرمایا:

''اور بلا شبہ وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی وہ یقیناً جانتے ہیں کہ، یہ اُن کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے''۔ [البقرۃ:۱۴۴]

- دکتور شفیع ماحی احمد ، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ ، ٹریننگ کالج ، کنگ سعود یونیورسٹی (الریاض):- اُن کی کتاب کا عنوان ہے: ''محمد ﷺ فی بشارات التوراۃ والانجیل'' اسے جامعۃ الملک سعود ہی نے شائع کیا ہے، ان کی تحقیق کا مقصد اُن بشارتوں کا جائزہ لینا ہے، جو بنی اسرائیل کے انبیاء نے محمد ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں دی ہیں، اور تورات وانجیل میں مرقوم ہیں، ان میں آپ ﷺ کے زمانۂ ظہور، علاقۂ رہائش ونبوت، نامِ نامی، صفات واحوال، آخری رسالت کا طریقۂ کار، امتِ مسلمہ اور تا قیامت حکمرانی کے متعلق صراحت ملتی ہے۔

- احمد دیدات کی کتاب جس کا ترجمہ: ''**ما ذا يقول الكتاب المقدس عن محمد صلى الله عليه وسلم**'' کے نام سے پروفیسر ابراہیم خلیل احمد نے کیا، محمود شرقاوی کی کتاب ''**محمد صلى الله عليه وسلم في بشارات الأنبياء**''، رحمت اللہ بن ابراہیم خلیل الرحمٰن ہندوستانی کی کتاب ''اظہار الحق'' جس کی تحقیق دکتور محمد احمد عبد القادر ملکاوی نے کی اور اس پر حواشی بھی لکھے، اسے ''ادارۂ بحوث علمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد'' کے سکریٹری نے الریاض سے ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء میں شائع کیا، اس کی چار جلدیں ہیں، چوتھی جلد کے چھٹے باب میں صفحہ ۱۱۱۶ سے ۱۱۹۸/ تک ''آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں گزشتہ انبیاء کی پیش گوئیاں'' کے تحت تورات وانجیل کی اصل عبارات سے اٹھارہ بشارتیں مذکور ہیں۔

یہ بات نہیں کہ صرف اہلِ کتاب ہی خاتم النبیین نبی عربی ﷺ کے نام وصفات کو بخوبی جانتے تھے، اہلِ کتاب کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اُن سے پہلے یہ سب کچھ جانتے تھے، انگریزی زبان کے ایک مقالہ جسے پروفیسر انور حسین اور وقار عظیم ندوی نے ''حضرت محمد ﷺ ...... مقدس ہندی کتابوں میں'' [Muhammad (P.B.U.H) in Hindu's Sacred Books] کے عنوان سے مرتب کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

- لفظ ''محمد'' کے معانی، سنسکرت زبان میں اس کے لکھنے کی شکل اور اس کا تلفظ، یہ سب کچھ مقدس ہندی

کتابوں میں موجود ہے، تفصیل یہ ہے:

۱۔ رگ وید، کنڈ:۵، منڈل:۲۷، منتر:۱۔

۲۔ اتھر وید، کنڈ:۲۰، سکت:۱۲۷، منتر:۳۔

۳۔ بھوشا پُرانا، کنڈ:۳، سورگ:۳۱۳، منتر:۵ و۱۲۔

۴۔ سری مد بھگوت، مہتم پرانا، باب:۲، اشلوک:۶۷۔

۵۔ تلسی کی رام چرتری مانس، سنگم پرانا سے ماخوذ، کنڈ:۱۲، باب:۶۔

لفظ ''احمد'' اس کے معانی اور سنسکرت زبان میں اس کے لکھنے کی شکل اور اس کا تلفظ یہ سب کچھ مقدس ہندی کتابوں میں موجود ہے، تفصیل یہ ہے:

۱۔ رگ وید، منڈل:۸، منتر:۱۰۔

۲۔ سام وید، پراپ تھک:۲، دشتی:۶، منتر:۸۔

۳۔ اتھر وید، کنڈ:۲۰، سکت:۱۲۶، منتر:۱۴۔

۴۔ یجر وید، سکت:۳۱، منتر:۱۸۔

مقدس ہندی کتابوں میں جو تورات وانجیل سے پہلے کی ہیں، نبی کریم محمد ﷺ کے کئی ایک اوصاف اور آپ سے متعلقہ چند واقعات بیان کیے گئے ہیں، جو سیرتِ نبوی کے مطابق ہیں، مثلاً: وہ اونٹ پر سوار ہوگا۔ وہ بارہ عورتوں سے شادی کرے گا (دونوں محققین نے ان کا ذکر کیا ہے: خدیجہ، سودہ، عائشہ، حفصہ، زینب بنت خزیمہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، ام حبیبہ، صفیہ، جویریہ، ریحانہ، میمونہ رضی اللہ عنہنّ)۔ وہ ختنے والا اور داڑھی والا ہوگا؛ اس کا دشمنوں سے مقابلہ ہوگا جن کی تمام جنگوں میں مجموعی تعداد 60090 ہوگی۔ (دونوں محققین نے اس کی بھی تفصیل بیان کی ہے)۔ وہ غیر معمولی سرعت کے ساتھ آسمان پر چڑھے گا اور پھر واپس آجائے گا۔ ان کتبِ مقدسہ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خصائل، ان کی جماعتوں کی حقیقی تعداد اور ان کی اقسام بھی بیان کی ہیں۔ ان کتابوں میں نبی کریم محمد ﷺ کے والد محترم اور والدہ محترمہ کے ناموں کا مطلب بھی بیان کیا گیا ہے۔

دونوں فاضل مؤلفین نے آخر میں مزید مطالعہ کے لیے اس موضوع کے متعلق پانچ اردو کتب ومراجع کا تذکرہ کیا ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ ڈاکٹر کملا کانت تواڑی کی ''کالی یوگا کی انتمارشی''

۲۔ پنڈت دھرم ویداپادھیا کی ''انتم شووردوت''

۳۔ وید پرکاش اپادھیا کی ''کلکی اوتار''

۴۔ ابن اکبراعظمی کی ''محمد ﷺ ہندو کتابوں میں''

۵۔ شمس نوید عثمانی کی ''اب بھی نہ جاگے تو'' (سیرتِ نبوی ﷺ: ص/۱۸۶تا۱۹۵،ملخصاً)

آپ ﷺ کے مختصر حالات:

عبدالمطلب ولادت کی خبر سنتے ہی گھر آئے اوراس مبارک بچے کوخانہ کعبہ میں لے گئے،اور دعا مانگ کر واپس آئے،ساتویں دن قربانی کی،اورتمام قریش کودعوت دی،دعوت کھاکرلوگوں نے پوچھا کہ:آپ نے بچے کا نام کیارکھا ہے؟عبدالمطلب نے کہا:محمد(ﷺ)!لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ،آپ نے اپنے خاندان کے سب مروجہ ناموں کوچھوڑکر یہ نام کیوں رکھا؟کہا:میں چاہتاہوں کہ میرا بچہ دنیا بھرکی ستائش اورتعریف کے شایان قرار پائے،اور ماں نے خواب میں ایک فرشتہ سے بشارت پاکر''احمد''(ﷺ) نام رکھا؛معلوم ہوا کہ حضور ﷺکو ''حمد'' سے خاص مناسبت ہے،حضور ﷺ کا نام''محمد''و''احمد'' ہے،اورحضور ﷺ کے مقام شفاعت کا نام''محمود'' ہے،امت محمدیہ کانام''حمادون'' ہے،اورآں حضرت ﷺ کےلواءکانام''لواءالحمد'' ہے، **والحمد للہ علی ذلک حمدًا کثیرًا** – ! (کذافی فتح الملہم بشرح صحیح مسلم بتغییر یسیر)

آپ ﷺ پانچ سال اوردوروز کے تھے کہ،اس وقت آپ کی دودھ پلانے والی نے آپ کوآپ کی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچایا۔

عرب کا دستورتھا کہ بچے کوآٹھ دن کے بعد دودھ پلانے والیوں کے سپرد کرکے کسی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے،آپ ﷺکی دودھ پلانے والی مکرمہ کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔

جب آپ ﷺ چھ سال کے ہوگئے،تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کوہمراہ لےکرآپ کےنھیال بنی نجار میں مدینہ تشریف لےگئیں،اورایک مہینے بعدلوٹتے ہوئے''مقام ابواء'' میں انتقال کرگئیں،حضرت ام ایمن بھی ساتھ تھیں،وہ آپ ﷺکومکہ شریف لےآئیں۔

آپ ﷺ ابھی حمل میں تھے کہ،آپ کے والدصاحب انتقال کرگئے تھے،آپ ﷺکی آپ کے داداعبد المطلب صاحب نے پرورش کی،پھرآپ کےداداصاحب کا بھی انتقال ہوگیا،اس وقت حضور ﷺکی عمرمبارک آٹھ برس کی تھی،اورعبدالمطلب نے۸۲/برس کی عمرمیں وفات پائی۔

آپ کے چچا صاحب ابو طالب نے...... جو حضور ﷺ کے والد صاحب کے حقیقی بھائی تھے...... آپ کی پرورش کی، اور وہ آپ کو شام کی طرف تجارت کے لیے لے چلے تھے کہ، راہ میں بحیرا نے جو نصاریٰ کا عالم اور درویش تھا، آپ کو دیکھا اور آپ کے چچا کو تاکید کی آپ اِن کی حفاظت کریں، یہ نبی ہیں، آپ کو مکہ شریف واپس کرا دیا۔

حضور ﷺ کی عمر مبارک ۱۲/سال کی تھی، جب آپ (ﷺ) چچا صاحب کے ساتھ سفر پر گئے، اور نصاریٰ کے بحیرا راہب نے آں حضرت ﷺ کو پہچان لیا، ترمذی وغیرہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ، چچا نے واپس کرتے وقت آں حضرت ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ صریح غلطی ہے، اول نہ تو بلال ابوطالب کے پاس تھے، نہ ابوبکر کے پاس، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان دنوں موجود نہ ہوں؛ "زادالمعاد اور سیرت محمد سلیمان: ص/۲۳" میں ہے کہ راہب کی داستان نا قابل اعتبار ہے۔

فقیر "عبداللہ" (صاحب معارف بہلوی) عرض کرتا ہے کہ اس قصے کو بعض نے صحیح کہا ہے، مگر بلال کے لفظ کو مدرج کہا ہے، اور اگر بالفرض نا قابلِ اعتبار بھی ہو، تو دشمنوں کی زبان سے فضیلت کے دوسرے شواہد کوئی کم نہیں ہیں۔

پھر آپ ﷺ خود حضرت خدیجہ کا مالِ تجارت لے کر شام کو چلے، راہ میں نسطورا نے جو کہ نصاریٰ کا عالم اور درویش تھا، آپ کے نبی ہونے کی گواہی دی، اور جب آپ لوٹے، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہوگئی، اس وقت آپ ﷺ کی عمر پچیس برس کی تھی، اور حضرت خدیجہ چالیس برس کی تھیں۔

کیوں کہ اس سفر میں خدیجہ کا غلام میسرہ حضور ﷺ کے ساتھ تھا، اس نے آں حضرت ﷺ کی تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر حضرت خدیجہ کو سنایا، جو سفر میں دیکھی تھی، ان اوصاف کو سن کر حضرت خدیجہ نے خود درخواست کر کے آں حضرت ﷺ کے ساتھ نکاح کر لیا، حالاں کہ حضرت خدیجہ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست کو ردّ کر چکی تھی۔

اس شادی کے بعد آں حضرت ﷺ کا تمام وقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور بنی آدم کی بہبودی اور خیر اندیشی میں صرف ہوتا، انہی دنوں میں آں حضرت ﷺ نے اکثر قبیلوں کے سرداروں سے مل کر قیام امن کے لیے ایک انجمن قائم کرادی، جس میں بنوہاشم، بنومطلب، بنواسد، بنوزہرہ شامل تھے؛ اور ایسے کاموں سے لوگوں پر یہ اثر پڑا کہ لوگ آں حضرت ﷺ کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے؛ بلکہ " الصادق " یا " الأمین " کہہ کر پکارتے تھے۔

چالیس برس کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت ملی، آپ باون یا ترپین برس کے تھے کہ، آپ ﷺ کو معراج ہوئی، نبوت کے بعد تیرہ برس آپ مکہ شریف میں رہے، پھر جب کافروں نے بہت دق کیا، تو آخر خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور مدینہ شریف آئے ہوئے دوسرا سال تھا کہ بدر کی لڑائی ہوئی، پھر دوسری لڑائیاں، سب چھوٹی بڑی ملا کر پینتیس جنگیں ہوئیں۔

مشہور نکاح آپ ﷺ کا گیارہ بیبیوں سے ہوا، دو بیبیاں آپ کے رو برو انتقال کر گئیں؛ اور آپ کی اولاد چار لڑکیاں تھیں، سب سے بڑی حضرت زینب اور ان سے چھوٹی حضرت رقیہ اور ان سے چھوٹی حضرت ام کلثوم اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ؛ یہ سب حضرت خدیجہ سے تھیں۔ اور تین یا چار فرزند تھے: حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت طیب اور حضرت طاہر، یہ حضرت خدیجہ سے ہیں؛ اور حضرت ابراہیم، یہ حضرت ماریہ سے ہیں، تو اس طرح پانچ ہیں۔ اور بعضوں نے کہا کہ طیب، طاہر اِن ہی عبداللہ کا نام ہے، تو اس طرح تین ہوئے۔ عبداللہ نبوت کے بعد ہوئے اور مکہ ہی میں انتقال کر گئے، اور باقی لڑکے نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور نبوت سے پہلے ہی انتقال کر گئے، البتہ حضرت ابراہیم مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

آپ ﷺ دس برس تک مدینہ شریف میں رہے، پھر بدھ کے روز صفر کے مہینے کے دو دن باقی تھے کہ آپ ﷺ بیمار ہوئے، اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ، پیر کے روز، چاشت کے وقت، تریسٹھ سال کی عمر میں وفات فرما گئے...... ﴿هو الذي لا يموت ، إنَّا لله وَإنَّا إلَيهِ رَاجِعُون، اَللّٰهُمَّ أجرني فِي مُصيبتي﴾ اور منگل کے دن دو پہر ڈھلے دفن ہوئے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ منگل کا دن گزر کر رات آ گئی، تدفین میں دیر اس لیے ہوئی کہ صحابہ غم وصدمے سے ایسے پریشان تھے کہ کسی کا ہوش درست نہیں تھا۔

حضرت پیغمبر ﷺ کی بیٹیوں میں سے حضرت زینب کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام حضرت علی تھا، اور ایک لڑکی جن کا نام حضرت امامہ تھا، ان دونوں کی نسل نہیں چلی، حضرت رقیہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ تھا، جو چھ سال کا ہو کر انتقال کر گیا، اور حضرت ام کلثوم کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور حضرت فاطمہ کے بیٹے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما تھے، ان کی اولاد بکثرت پھیلی۔

يا رَبِّ صَلِّ وسَلِّمْ دائمًا أبدًا
على حبيبكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم
و على آله و أتباعه أيضًا

بعثت سے سات برس پہلے، آپ ﷺ کو ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی، اس میں کوئی صورت اور آواز نہ ہوتی تھی، بعدہٗ خلوت گزینی محبوب ہوئی تا آنکہ غار حرا میں اکیلے رہنے لگے، پھر حضور ﷺ کو سچے خواب دکھائی دینے لگے، جب قمری اعتبار سے چالیس سال پر ایک دن زیادہ ہوا، تو ۹ ربیع الاول دوشنبہ کے دن سنہ ۴۱ میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو روح الامین یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام خدا تعالیٰ کا حکم نبوت لے کر حضرت ﷺ کے پاس آئے، اس وقت آنحضرت ﷺ غارِ حرا میں تھے، اس واقعہ کے بعد فوراً دولت خانہ میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ: مجھ پر کپڑا ڈال! پھر طبیعت کو جب سکون ہوا تو فرمایا کہ: میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے جان کا ڈر ہے! حضرت خدیجہ اس پر ہمدردی کے الفاظ عرض کر کے، آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، الغرض ورقہ جھٹ بول اٹھا کہ وہ ناموس (جبریل) ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا کرتا تھا، کچھ دنوں بعد فرشتہ آیا، خدا تعالیٰ کا کلام پاک یعنی سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں سکھلائیں، اور حضور کے سامنے وضو کیا، اور پھر حضرت ﷺ نے وضو فرمایا، پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی، روح الامین نے نماز پڑھائی، پھر دولت خانہ پہنچ کر تبلیغ شروع کر دی، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت خدیجہ، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم پہلے ہی دن مسلمان ہوگئے، پھر چند ہی روز بعد حضرت بلال، عمرو بن عنبسہ اور خالد بن سعد بن عاص مسلمان ہوگئے، اسی طرح اور بھی کچھ کچھ مسلمان ہوتے گئے، ان دنوں پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے اور چپکے چپکے سمجھایا کرتے تھے، پھر سورۂ مدثر کی چند آیات نازل ہوئیں، اور آیت: ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [الشعراء: ۲۱۴] بھی قریب قریب نازل ہوئی، جس سے علانیہ تبلیغ، رشتہ دار، احباب، شہر کے لوگ، اطراف کے، جملہ حصصِ عرب اور دنیا کی متمدن اقوام کی طرف آہستہ آہستہ وسعت پکڑتی گئی۔

تمام عالم کی حالت پر تاریکی کا غلبہ تھا، بنی اسرائیل میں مسیح علیہ السلام کی لعنت سے ظاہری شکل کے سوا آدمیت نام کی کوئی شے باقی نہ تھی، بلکہ ان پر ہمسایہ قوموں کی بت پرستی کا اثر بھی آ چکا تھا، یورپ اور انگلستان میں جہالت و وحشت کا دور دورہ تھا، اسی طرح فرانس میں پادریوں کے ایماء سے بیہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں، سیکسن قوم سے ۸۲۷ء تک لڑائی جاری رہی، ایران پر مزدکیہ کا زور تھا، جنہوں نے زن، زر، زمین کے وقف عام کر دینے سے اخلاق اور انسانی ترقیات کو ملیا میٹ کر دیا تھا، ہندوستان میں بھی مندروں میں مرد وزن کی برہنگی کی تمثالیں بنا کر رکھی جاتی تھیں، چین میں بھی ہر کام کا بت جدا جدا مقرر تھا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک کی تھی، جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیر اثر تھے، اور علم و تہذیب کے

دعوے دار تھے، عرب کو بھی ان ممالک پر قیاس کر لیجئے، اور یہ بھی کہ صدیوں سے کسی بادشاہ کا تسلط نہ تھا، نہ کسی قانون کا اثر تھا اور نہ کسی ہدایت کا اثر تھا، اس بدترین حالت پر ارحم الراحمین نے اصلاحِ عالم کا آغاز؛ اسی جگہ سے کرنا پسند فرمایا، پہلے پہل آپ ﷺ نے کنبے میں تبلیغ فرمائی، پھر وعظ میں سب مکہ والوں کو دعوتِ عام دی، جس پر ابو لہب نے اپنی حماقت ظاہر کی، پھر منڈیوں اور میلوں میں تبلیغ فرمائی، اس پر قریش نے سخت مخالفتیں شروع کر دیں، ایذا رسانی کے لیے باقاعدہ کمیٹیاں مقرر کی گئیں، جب بے حد ستانا شروع کیا، اس پر جان و ایمان کے بچانے کے لیے صحابہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی، قریش نے صحابہ کا حبشہ تک تعاقب کیا مگر ناکام ہوئے، نبوت کے چھٹے برس حضرت امیر حمزہ مسلمان ہوئے، اس کے تین دن بعد حضرت عمر فاروق مسلمان ہوئے، پہلے مسلمان گھروں میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے، ماہِ محرم سنہ ۷/ نبوت میں بنو ہاشم کے قبیلے کے ساتھ بیع وشراء، رشتہ ناتا چھوڑنے کا معاہدہ ہوا۔ (زادالمعاد، مکتبۃ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

گویا حضور ﷺ اپنے قبیلے کے ساتھ محصور ومحبوس ہو کر ایک پہاڑ کی گھاٹی میں رہنے لگے، تین سال بعد پھر دولت خانے پر تشریف فرما ہو کر سلسلۂ تبلیغ شروع فرمایا، سنہ ۱۰/ نبوت میں ابو طالب صاحب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا، اس کے چند ایام بعد آپ ﷺ حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے، واپسی کے وقت جب آپ ﷺ بطنِ نخلہ پہنچے، جو مکہ مکرمہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے، تو رات کو نماز میں قرآن مجید پڑھا، تو نینوا...... جو موصل کے قریب ہے...... کے سات یا نو جن، قرآن مجید سن کر مسلمان ہوئے اور اپنی قوم کو جا کر اسلام کی دعوت دی، سورۂ احقاف میں ان کا قصہ مذکور ہے، پھر مکہ میں واپس آ کر مختلف قبیلوں میں جا جا کر دورہ کیا، انہی ایام میں ضماد، ایاس بن معاذ اور سوید بن صامت مسلمان ہوئے۔ ۲۷/ رجب سنہ ۱۰/ نبوی کو معراج ہوئی، یہ معراج جسم مع روح کے تھی، پہلے دو نمازیں تھی، پھر پانچ نمازیں فرض ہوئیں، سنہ ۱۱/ نبوت میں موسم حج میں مقام عقبہ پر مدینہ کے چھ آدمی مسلمان ہوئے، سنہ ۱۲/ نبوت میں مدینہ کے بارہ آدمی مسلمان ہوئے، حضور ﷺ نے ان کی تعلیم کے لیے مصعب بن عمیر کو ساتھ کر دیا، ان کے وعظ سے تمام قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔

مدینہ مبارک کے راست بازوں کا گروہ، ایسے متبرک مقام پر جہاں دو سال سے حاضر ہوا کرتا تھا، دو بارہ حاضر ہوا، خدا کے برگزیدہ رسول ﷺ بھی اپنے چچا عباس کو ساتھ لیے ہوئے وہاں جا پہنچے، ان اہلِ ایمان نے رسول ﷺ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی، حضور ﷺ نے اپنے جینے اور وفات کا، کہ وہ بھی عینِ حیات ہے، ان سے عہد کیا اور ان کی جانب سے پوری امداد کے عہد پر، ان کے ہاں تشریف لے جانے کی خوشخبری دی اور انصار

آپ سے مبارک باد حاصل کر کے مدینہ واپس گئے، اس عقبۂ ثانیہ کی بیعت ومعاہدہ کے بعد مکہ شریف کے ایمان والوں کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمادی، چناں چہ حضرت صہیب تمام مال چھوڑ کر، ابوسلمہ اور عمر وغیرہ سب ہجرت فرما گئے، اور مکہ شریف میں صرف ابوبکر وعلی ہی باقی رہے، تو قریش نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کی تجویز کا اچھا موقع سمجھا، آخر حضور ﷺ نے علی سے فرمایا کہ: تم میرے بستر پر میری چادر لے کر سو رہو، ذرا فکر نہ کرنا، اور حضور ﷺ ۲۷/صفر سنہ ۱۳/نبوت بروز پنجشنبہ مطابق ۱۲/ستمبر ۶۲۲ء کو اپنے پیارے دوست ابوبکرؓ کے ساتھ تین دن غارِ ثور میں قیام کر کے چوتھے دن بروز دوشنبہ مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے، اثنائے راہ میں بریدہ اسلمی جو کہ اپنی قوم کا سردار تھا، قریش کے سو اونٹ کے لالچ میں حضرت ﷺ کی تلاش میں نکلا تھا، جب حضور ﷺ سے ہم کلام ہوا تو بریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہوگیا، ۸/ربیع الاول سنہ ۱۳/نبوت بروز دوشنبہ مطابق ۲۳/ستمبر ۶۲۲ء خدا تعالیٰ کے نبی قبا پہنچے، آپ ﷺ پنجشنبہ تک وہاں ٹھہرے، اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی، اسی جگہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی خدمت میں پہنچ گئے، ۱۲/ربیع الاول سنہ ۱/ہجری کو جمعہ کے دن قبا سے سوار ہوکر، بنو سالم کے گھروں تک پہنچے کہ جمعہ کا وقت ہوگیا، وہاں جمعہ پڑھا، بعدۂ یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے، اور اسی روز سے اس شہر کا نام مدینۃ النبی (ﷺ) ہوا، داخلہ عجب شاندار تھا، گلی کوچے تحمید وتقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے، مرد، عورت، بچے اور بوڑھے آپ کا جلوہ دیکھنے کے لیے سراپا چشم براہ تھے، انصار کی معصوم لڑکیاں پیارے لہجے اور پاک زبانوں سے اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھیں ؎

أشرَق البَدرُ علینا — من ثَنیَّاتِ الوَداع
وجب الشکرُ علینا — ما دعا للہ داع
أیها المبعوثُ فینا — جئتَ بالأمر المُطاع

بزرگ انصار دل کے غنی، اسلام کے فدائی، اپنے مسلمان مہاجرین بھائیوں پر اتنے قربان تھے کہ، ان کی مہمانی پر قرعہ اندازی ہوتی تھی، جس کا قرعہ نکل آتا، وہ لے جا کر اپنا سب مال آدھا تقسیم کر کے دے دیتا، اور پھر رات دن خوش قسمتی پر شکر کرتے ہوئے خدمت پر مستعد رہتا تھا، اس وقت یہودی بھی حضور ﷺ کی تشریف آوری سن کر خوش ہوئے، لیکن جب سنا کہ یہ نبی مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو سچا بتلاتے ہیں اور ان کی تعظیم کر کے یہودی کو انصاف سے ملزم ٹھہراتے ہیں، تو سب دشمن ہوگئے، اسی طرح عیسائی بھی تمام منتظر تھے، لیکن جب سنا کہ عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل: ابنیت، تثلیث اور رہبانیت کا رد کرتے ہیں، تو سب دشمن ہوگئے۔

واضح ہو کہ مدینہ میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے، اور ان کے مذاہب بھی الگ تھے، یہودیوں کے متعدد قبیلے خصوصاً بہت طاقتور تھے، اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے، نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ، جملہ اقوام سے بین الاقوامی اصول پر ایک معاہدہ کرلیا جائے، تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف پر بھی قومیت کی وحدت قائم رہے، اور سب کو تمدن وتہذیب میں ایک دوسرے سے مدد واعانت ملتی رہے، پہلے یہود اور اہلِ یثرب کے ساتھ معاہدہ کی کتاب لکھی گئی۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول)

اس معاہدے پر مدینہ کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہوگئے، اس کے بعد گرد ونواح قبیلوں سے معاہدہ کرنے کا خیال فرمایا، تاکہ قبائل میں خانہ جنگی وخون ریزی کا انسداد ہوجائے، اور قریش بھی ان حلیف ومعاہد اقوام کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کرسکیں گے، پہلے سال اسی غرض سے ودّان تک سفر فرمایا، اور قبیلہ حمزہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کرلیا، دوسرے سال ماہ ربیع الاول میں رضوی پہاڑ کی طرف گئے اور کوہِ بواط کے لوگوں سے معاہدہ کیا۔ (زاد المعاد، مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اسی سنہ میں ماہ جمادی الاخریٰ میں ذی العشرہ جاکر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ (زاد المعاد)

قریش کو حضور ﷺ کے ساتھ وہ دشمنی تھی کہ ۳۰۰/میل پر چلے جانے کے بعد بھی، ان کو چین نہ آیا، عبد اللہ بن اُبی اور اس کے رفقاء کی طرف جو کہ ہنوز بت پرست تھے، لکھ بھیجا کہ ہمارے شخص کو اپنے شہر سے نکال دو یا اس سے لڑو، ورنہ ہم نے قسم کھالی ہے کہ، ہم سب تم پر حملہ کریں گے، تمہارے جوانوں کو قتل کردیں گے، اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کرلیں گے، اس پر عبد اللہ وغیرہ نے جنگ کا ارادہ کیا، حضور ﷺ نے تقریر فرمائی تو مجمع منتشر ہوگیا۔

(ابوداوٴد: ص/۴۲۳، کتاب الخراج والفیء والإمارۃ، باب فی خبر النضیر، رقم الحدیث: ۳۰۰۴، قدیمی، عون المعبود: ص/۱۲۷، بیت الافکار الدولیۃ)

اس کے بعد قریش نے یثرب کے اندر یہودیوں سے سازش شروع کرلی، اور انہیں اپنے ساتھ کرکے دوبارہ پیغام بھیجا [کذا فی ابی داوٴد فی باب خبر النضیر] اس کے بعد ربیع الاول سنہ۲ھ میں کرز بن جابر الفہری یثرب پہنچ کر باہر کے مویشی لوٹ کرلے گیا، اس سے گویا اپنی طاقت کو دکھلایا گیا، پھر رمضان سنہ۲ھ میں ابوجہل نے مکہ میں مشہور کردیا کہ ہمارے قافلہ کو مسلمان لوٹیں گے، اس غرض سے کہ سب لوگ جن کے اقربا قافلے میں ہیں اور جن کا مال ہے بالاتفاق جنگ پر تیار ہوجائیں، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ، ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک خونخوار فوج، جس میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے، ابوجہل لے کر نکلا، جس قافلے کی حفاظت کا نام لے کر نکلا تھا، وہ بخیریت مکہ پہنچ گیا، مگر ابوجہل اس فوج کو لیے ہوئے برابر مدینہ کی طرف بڑھا چلا گیا، اب مسلمانوں کو کچھ شک نہ

رہا کہ یہ قریش کی چڑھائی غریب مسلمانوں پر ہے، نبی ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، قابلِ اطمینان جواب ملا، حضور ﷺ بھی تین سو تیرہ مسلمان لے کر، جن کا سامان صرف دو گھوڑے اور سات اونٹ تھے، بدر پہنچے، نصرتِ الٰہی سے کافروں کے ستر مشہور آدمی اسیر ہوئے، اور ستر مارے گئے، بعدہٗ صفوان نے عمیر بن وہب کو حضور ﷺ کو شہید کرنے کے لیے مدینہ بھیجا، لیکن وہ مدینہ میں مسلمان ہو کر مکہ واپس گیا۔

اسی سال تحویلِ قبلہ شریف ہوئی، زکوۃ فرض ہوئی، صدقۂ فطر، عیدین کی نماز اور قربانی مقرر ہوئیں، اور اسی سال بدر سے واپسی سے ایک روز قبل آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کی وفات ہوئی، آپ ﷺ نے اس کے بعد دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کیا، اور بدر کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

سنہ ۳ھ شوال میں قریش نے ملک بھر سے عام چندہ کیا، چناں چہ شام کی تجارت کا پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹ بھی چندے میں شامل ہوئے، الغرض پانچ ہزار بہادر افراد جن میں تین ہزار شتر سوار گھوڑ سوار، اور سات سو زرہ پوش پیادہ (پیدل) تھے، قریش ان سب کے ساتھ مدینہ کو بڑھے؛ دوسری طرف حضور ﷺ سات سو مسلمانوں کے ساتھ احد تک پہنچے، مسلمانوں کو شکست ہوئی، بقیہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تک دوسرا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

اسی سال غزوۂ حمراء الاسد، سریہ عبداللہ بن انیس، سریہ رجیع، قصہ عاصم وخبیب ہوا، اور واقعہ بیرِ معونہ محرم وصفر میں ہوا، اسی واقعہ بیر معونہ کے ایام میں غزوۂ بنی نضیر ہوا، جس میں یہ ہوا کہ، حضور ﷺ محلّہ نضیر میں تشریف لائے اور دیت کے معاملے میں ان سے گفتگو کی، ان لوگوں نے آپ کو دیوار کے نیچے بٹھا دیا اور اوپر سے پتھر ڈالنے کا مشورہ کیا، مگر آپ کو وحی سے اطلاع ہوگئی، آپ اٹھ کر مدینہ چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم نے نقضِ عہد کیا، یا تو دس دن کے اندر اندر نکل جاؤ، ورنہ لڑائی ہوگی، آخر وہ نکل گئے، اس کا کچھ قصہ سورۂ حشر میں ہے۔

اسی سال یا اگلے سال شراب حرام ہوئی، امام حسن پیدا ہوئے، سنہ ۴ھ میں غزوۂ بدر ثانی ہوا، جس کو بدرِ صغریٰ اور بدرِ موعد بھی کہتے ہیں، اس میں جنگ نہیں ہوئی، اس کا قصہ چوتھے پارہ کے تیسرے ربع: ﴿**استجابوا للّٰہ والرسول**﴾ [آل عمران:۱۷۲] سے مذکور ہے، یہ واقعہ شعبان میں ہوا یا ذوالقعدہ میں، اسی سال امام حسین پیدا ہوئے۔

سنہ ۵ھ ربیع الاول میں غزوۂ دومۃ الجندل اور شعبان میں غزوۂ مریسیع، جس کو غزوۂ بنی مصطلق بھی کہتے

ہیں، ہوا، اس غزوہ میں وہاں کے لوگ مقابل نہیں ہوئے، مگر ان کے اہل وعیال مسلمانوں کے ہاتھ آئے، جس میں ام المومنین حضرت جویریہ بھی تھیں، اسی غزوہ سے واپسی پر قصۂ افک ہوا، اور اسی سال شوال میں غزوۂ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، پیش آیا؛ مختلف قبائل نے مل کر دس ہزار کی فوج کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی، حضرت سلمانؓ کے مشورے سے خندق کھودی گئی، آخر کار مخالف ناکام ہوئے، اور غزوۂ قریظہ بھی اس کے بعد ہوا، اور اسی زمانے میں ابورافع یہودی قتل کیا گیا، اس کے بعد غزوۂ عسفان ہوا، جس میں صلوۃ الخوف نازل ہوئی، اور اس کے بعد سریۂ خبط جس پر ابوعبیدہ سپہ سالار تھے، اور جس میں عنبر مچھلی دریا سے ہاتھ آئی تھی، اس غزوہ کو سیف البحر بھی کہتے ہیں، اسی سال بقولِ بعض آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

سنہ ۶ھ میں غزوہ بنی لحیان ہوا، جس میں لوگ بھاگ گئے، پھر سریۂ نجد واقع ہوا، جس میں ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے، اسی سال ذوالقعدہ میں غزوۂ حدیبیہ ہوا، جس میں اگلے سال کا وعدہ ہوا کہ آ کر عمرہ کریں، اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے اور اس معاہدے کی دس برس مدت ٹھہری کہ اس عرصے میں آپس میں لڑائی نہ ہوگی، اور آپ ﷺ کے حلیفوں سے قریش کے اور قریش کے حلیفوں سے آپ ﷺ نہ لڑیں گے، لیکن ہوا یہ کہ قریش نے آپ ﷺ کے حلیفوں یعنی خزاعہ پر اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کی، اور فتحِ مکہ کا واقعہ مرتب ہوا، اسی سال سریۂ زید بن حارثہ جموم (جو کہ ایک مقام کا نام ہے) کی طرف روانہ ہوئے، جس میں کچھ قیدی اور مویشی ہاتھ آئے، اور اسی مہینے یہی عیص کی طرف روانہ ہوئے اور ابوالعاص بن ربیع آپ ﷺ کے داماد، یعنی حضرت زینب کے شوہر قریش کا مال تجارت لیے ہوئے شام سے آ رہے تھے کہ، وہ سب مال لے لیا گیا، اور ابوالعاص نے مدینہ میں آ کر حضرت زینب کی پناہ لی، اور مال واپس کرنے کی درخواست کی، حضور ﷺ نے تمام مال مسلمانوں کی اجازت سے واپس کرا دیا، ابوالعاص یہ مال لے کر واپس مکہ گئے اور مکہ سے مسلمان ہو کر واپس آئے، مگر زادالمعاد میں، اس قصے کو ابو بصیر کی طرف منسوب کیا ہے، اور اسی سال ماہِ شعبان میں عبدالرحمٰن بن عوف کا سریہ دومۃ الجندل کو بھیجا گیا، وہ لوگ مسلمان ہو گئے، اور اسی سال شوال میں عرنین کا قصہ ہوا، جس میں وہ لوگ پکڑے گئے اور قتل کئے گئے، ان سب کے بعد حدیبیہ ہوا، پھر حدیبیہ کے بعد غزوۂ غابہ واقع ہوا، جس کا نام غزوۂ ذی قرد بھی ہے، یہ تالاب ہے، اور غابہ، مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام ہے۔

غزوۂ حدیبیہ کے بیس دن بعد غزوۂ خیبر ہوا، اور فدک خیبر سے ملحق ہے، ان سے صلح ہوئی، من جملہ غنائم خیبر کے ام المؤمنین حضرت صفیہ بھی ہیں، اور خیبر کے ایام میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ دوسرے مہاجرینِ حبشہ

کے ہمراہ وہیں تشریف لائے، اور خیبر ہی میں ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر آپ ﷺ کو دیا، اور اسی غزوہ میں گدھے کے گوشت کی حرمت ہوئی، اور متعہ کی ممانعت ہوئی، خیبر کے بعد وادی القری کو فتح کیا، انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کر لی، اور ان کو ان کے مال پر قابض رکھا گیا، حضرت عمرؓ نے خیبر اور فدک والوں کو نکالا تھا، اور تیما اور وادی القریٰ والوں کو اس لیے نہیں نکالا کہ یہ مواضعِ شام ہیں؛ پھر آپ ﷺ خیبر سے واپس آ کر مدینہ میں رہے اور مختلف سرایا روانہ فرمائے، سریۂ ابی بکر بجانب بنوکلاب، سریۂ عمر بجانب ہوازن وغیرہ وغیرہ، اسی سال قحط میں آپ ﷺ کی دعا سے پانی برسا۔

سنہ ۷ھ: اس سنہ کے ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرۃ القضا ہوا، راستہ میں ہی حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا، پھر مکہ پہنچ کر آپ ﷺ نے عمرہ کیا اور تیسرے دن حسبِ شرط مدینہ کو روانہ ہوئے۔

سنہ ۸ھ: میں جمادی الاولیٰ کے مہینے میں غزوۂ موتہ ہوا، یہ شہر موتہ ارضِ شام میں ہے، حاکم شہر نے جب آپ ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن عمیر کو، جو آپ ﷺ کا نامہ مبارک حاکم بصریٰ کے پاس لے جا رہے تھے، قتل کر دیا، تو حضور ﷺ نے تین ہزار کا لشکر بھیجا، جس کے امیر حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے، تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنایا گیا، وہ بھی شہید ہوئے، تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنایا گیا، وہ بھی شہید ہوئے، تو حضرت خالد بن ولید نے قیادت سنبھالی، اور حضرت خالد کے ہاتھ پر ہی فتح ہوئی، اسی سال جمادی الاخریٰ میں ذات السلاسل ہوا، اس میں لشکر اسلام ایک پانی پر ٹھہرا، جس کا نام سلسل تھا، اسی لیے اس کا نام ذات السلاسل ہوا، بعض نے اور وجوہ بھی بیان کی ہیں، پھر اسی سال غزوۂ ذات الرقاع ہوا۔

اسی سال رمضان میں مکہ فتح ہوا، اور یہ اعظم فتوح، مدارِ اعزازِ اسلام اور مفتاحِ شیوعِ دین ہے، جس کا سبب یہ ہوا تھا کہ، بنی بکر نے خزاعہ پر شب خون مارا، اور قریش نے ان کی خفیہ مدد کی، آپ ﷺ نے قریش کی اس عہد شکنی پر لشکر کشی فرمائی اور فتح حاصل کی، اور کعبہ میں موجودہ بت خانے کو نیست و نابود کیا، اور بعضے بت جو نواحِ مکہ میں تھے، ان کو مٹانے کے لیے سرایا روانہ فرمائے، حضرت خالد کو عزیٰ بت مٹانے کے لیے، جو قریش اور بنی کنانہ کا بت تھا، اور حضرت عمر بن العاص کو سواع کی طرف جو ہزیل کا بت تھا، اور سعد بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف، جو قدید کے قریب اوس، خزرج اور غنان وغیرہم کا بت تھا، روانہ کیا۔

پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین ہوا، جس کو غزوۂ اوطاس بھی کہتے ہیں، اس کے بعد شوال کے مہینے میں طائف کا محاصرہ کیا، فتح سے پہلے ہی واپس آئے، مگر بعد میں یہ لوگ تبوک حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، پھر اسی سال محرم کے مہینے میں بنی تمیم کی طرف پچاس خود سوار بھیجے، وہ لوگ مقابلے سے بھاگ گئے، اور کچھ مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں، ان کے رؤسا مدینہ حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے، اسی سال حضرت ﷺ کے فرزندِ ارجمند حضرت ابراہیم

پیدا ہوئے، اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے وفات پائی۔

سنہ۹ھ: اسی سال بنی کلاب کی طرف لشکر بھیجا گیا، کفار کو ہزیمت ہوئی، اور علقمہ بن مجزر مدلجی کا سریہ ساحلِ جدہ کی جانب روانہ فرمایا، یہاں حبشہ کے کچھ لوگ آ کر جمع ہو گئے تھے، جب مسلمان وہاں پہنچے، تو کفار بھاگ گئے اور حضرت علی کو قبیلہ طے کے بت خانہ کو منہدم کرنے کے لے بھیجا، حاتم کے بیٹے عدی بھاگ گئے اور اس کی بہن قید ہوئی، اور پھر رہا کر دی گئی، اس کی تعریف سے پھر عدی آ کر مسلمان ہو گئے، پھر رجب میں غزوۂ تبوک ہوا، اس کو غزوۂ عسرۃ بھی کہتے ہیں، اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ، ہرقل بادشاہِ روم آپ پر لشکر لاتا ہے، حضور ﷺ تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک پر پہنچے، ہرقل نے جو کہ آپ ﷺ کو پیغمبر برحق سمجھتا تھا، مارے ڈر کے ادھر کا رخ نہ کیا، حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے، اسی زمانے میں مسجد ضرار کے گرانے کا قصہ ہوا، جو کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾ [التوبة :۱۰۷]۔ اسی سال حج فرض ہوا، مگر حضور ﷺ غزوات کے اہتمام کے سبب خود حج پر تشریف نہ لے جا سکے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر کر کے مکہ روانہ کیا، اور سورۂ براءت کے سنانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، اسی سال حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت امّ کلثوم کا انتقال ہوا۔

سنہ۱۰ھ: ہجری میں آپ ﷺ خود حج کو تشریف لے گئے، اور آپ ﷺ نے ایسی باتیں فرمائیں، جیسے کوئی الوداع کہنے والا بوقتِ وداع کرتا ہے، اس لیے یہ حج "حجۃ الوداع" کہلاتا ہے؛ آپ ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی سے زائد حجاج تھے، عرفہ کے دن آیت: ﴿اليومَ اَكمَلتُ لَكُم دِينَكُم .. الخ﴾ [المائدة :۳] نازل ہوئی، حج سے واپسی پر ایک منزل غدیرِ خم میں تاکیدِ محبتِ حضرت علی پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا، کیوں کہ یمن کے بعض لوگوں نے حضرت علی کی بے جا شکایتیں آپ ﷺ سے کی تھی، پھر مدینہ مکرمہ میں تشریف لا کر ہدایت وارشادِ خلق وعبادتِ خالق میں مشغول ہوئے اور ربیع الاوّل میں سفرِ آخرت کو اختیار فرمایا۔

۱۲/ربیع الاوّل سنہ۱۱ھ بروز دوشنبہ کو قمری حساب سے ۶۳/سال اور ۳/دن کی عمر میں؛ اور شمسی سال کے حساب سے ۶۱/سال اور ایک ماہ گیارہ یوم کی عمر میں بوقتِ چاشت مطابق ۳/جون ۶۳۲ء جسمِ اطہر سے روحِ انور نے پرواز کی، اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيهِ رَاجِعُوْنَ ، اور مدتِ رسالت آٹھ ہزار ایک سو پچیّس دن ہیں، اور مدتِ قیامِ نبوی بعالمِ دنیوی بائیس ہزار تین سو تین اور چھ گھنٹے ہیں۔ [سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ:۱/۲،۲۷۳،۲۷۲، نشر الطیب فی ذکر الحبیب ﷺ]

يَــا رَبِّ صَــلِّ وَ سَــلِّــم دائِــمًــا اَبَــدًا

عَــلٰـى حَبِيبِكَ خَيــرِ الــخَـلـقِ كُــلِّهِــم

✧✧✧✧✧

آپ ﷺ کے بعض شمائل، اخلاق اور عادات

حلیہ مبارک:

حضورِ اقدس ﷺ کے جمال مبارک کو کماحقہٗ تعبیر کر دینا' یہ ناممکن ہے، نورِ مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے، لیکن اپنی ہمت اور وسعت کے موافق حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو ضبط فرمایا، جس کا کچھ بیان یہ ہے:

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا، ورنہ آدمی حضور ﷺ کے دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے ۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو

تنہا داری

تاہم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا امت پر نہایت ہی بڑا احسان ہے کہ حضور ﷺ کے کمالاتِ معنوی، یعنی علوم ومعارف کے ساتھ ساتھ کمالاتِ ظاہری حسن و جمال کی بھی تبلیغ فرمائی، کیوں کہ نامراد عاشق جب وصال سے محروم ہوتا ہے، تو محبوب کے گھر بار، خدوخال کو یاد کر کے اپنے آپ کو تسلی دیا کرتا ہے، اور محبوب کی عادات وحالات سے دل بہلاتا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں چودہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، اکثر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضورِ اکرم ﷺ نہ بہت لمبے تھے، نہ پست قد، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا، اور رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے دودھ کی طرح، نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے، بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پرنور اور کچھ ملاحت لیے ہوئے تھے، حضور ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے، نہ بالکل پیچ دار بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا، کبھی آپ ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک، کبھی کان کی لوتک اور کبھی اس کے درمیان تک ہوتے تھے، نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے، نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ میں تھی، یعنی چہرۂ انور نہ بالکل لانبا، بلکہ دونوں کے درمیان تھا، آپ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ ﷺ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، پلکیں دراز اور پیشانی کشادہ تھی، آپ ﷺ کے ابرو خم دار، باریک اور گنجان تھے، دونوں ابرو جدا جدا

تھے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر آتی تھی، آپ کی ناک بلندی مائل تھی، اور اس پر چمک اور نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا، لیکن غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے، ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی، آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا یعنی منہ تنگ نہ تھا، اور بعض کے نزدیک فراخ منہ کنایہ ہے فصاحت سے، یعنی فصیح تھے، آپ کے دانت مبارک باریک وآبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا فصل بھی تھا، جب حضور ﷺ کلام فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا، جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا، آپ ﷺ کی داڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں والی تھی، آپ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے، اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ ﷺ کے سب اعضا نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے، گٹھے ہوئے بدن کے تھے، پیٹ اور سینہ ہموار تھا، لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا، ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی، اس لکیر کے علاوہ چھاتی اور پیٹ بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصے پر کسی قدر بال تھے، آپ ﷺ کی کلائیاں دراز تھیں، ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز، پُر گوشت تھے، اور ایڑی پتلی تھی، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی تھیں، آپ کے تلوے قدرے گہرے تھے، اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرا ہونے اور ان کی ملائمت کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا، بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا، اور جب تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ ﷺ کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے، یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، شاید اس لیے کہ یہ متکبرانہ وضع ہے، حضور ﷺ کا سر مبارک بھی مناسب طور پر بڑا تھا، اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، آپ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ پہلی نظر میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا، البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا، وہ آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمہ واوصافِ جمیلہ سے گھائل ہو کر آپ کو محبوب بنا لیتا تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے تھے کہ: میں نے حضور اقدس ﷺ جیسا نہ حضور سے پہلے دیکھا' نہ بعد میں۔

فائدہ: اس جیسی عبارت میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے، مگر حضور ﷺ کے اوصاف میں مبالغہ نہیں، اس لیے کہ وہاں حسن وجمال ہی تعبیر سے باہر ہے۔ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی، جو سرخ رسولی جیسی تھی، اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی، وغیر ذلک من الصفات۔

مہرِ نبوت:

حضوراقدس ﷺ کے بدن مبارک پر مہر نبوت ولادت ہی کے وقت سے تھی، جیسا کہ فتح الباری نے بواسطہ یعقوب بن حسن، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے، اور حضور ﷺ کی وفات میں جب بعض صحابہ کو شک ہوا، تو حضرت اسماء نے مہرِ نبوت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا، اس وقت وہ نہ رہی تھی، چناں چہ مناوی نے اس قصے کو مفصل نقل کیا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اس مہر نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں؟ ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ، اس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ''سِــرْ فَــأنْــتَ مَــنْــصُــوْرٌ'' لکھا ہوا تھا۔ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایات ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچتیں، اس باب میں امام ترمذیؒ نے شمائلِ ترمذی میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، من جملہ ان کے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے حضور ﷺ کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا، جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی''۔ (شمائلِ ترمذی: ص/۳)

سرمبارک کے بال:

حضور پرنور ﷺ کے بالوں کی مقدار میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، کسی روایت میں یہ ہے کہ نصف کانوں تک تھے، اور کسی روایت میں یہ ہے کہ کانوں کے نیچے اور مونڈھوں کے اوپر تھے، اور بعض روایت میں یہ ہے کہ مونڈھوں پر تھے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ بال بڑھنے والی چیز ہیں، ایک وقت میں کان کی لو تک تھے، اور ایک وقت میں ذرا زائد اور دوسرے وقت میں مونڈھوں تک تھے، اور حضور ﷺ کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے، تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا، اس نے چھوٹے بال نقل کئے ہیں، اور جیسے جیسے کسی نے دیکھا، ویسے نقل کیا ہے، امام ترمذیؒ نے شمائل میں آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں، من جملہ ان کے ایک حدیث یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے''۔ (شمائل ترمذی: ص/۳)

اور دوسری حدیث یہ ہے:

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ: حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہ بالکل پیچیدہ، نہ بالکل کھلے ہوئے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن لیے ہوئے تھے، جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے''۔ (شمائل ترمذی: ص/۴)

بالوں میں کنگھا کرنا:

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شمائل میں پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

''میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی، حالاں کہ میں حائضہ تھی''۔ (شمائلِ ترمذی:ص/۴)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ کو حالتِ حیض میں مرد کی خدمت کرنا جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضورِ اکرم ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے، اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے، اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، جو تیل کے کثرتِ استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو''۔ (شمائلِ ترمذی:ص/۴)

فائدہ: تیل سے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں، جو حضور انور ﷺ کی نظافت کے خلاف ہے، اس لیے اس کی حفاظت کے لیے حضور ﷺ ایک کپڑا ڈال لیتے تھے، تاکہ عمامہ وغیرہ خراب نہ ہو۔

سرمہ لگانا:

آنکھ میں سرمہ ڈالنا (لگانا) مستحب ہے، آدمی کو چاہئے کہ ثواب کی نیت سے سرمہ لگائے کہ، اس میں آنکھوں کو فائدہ پہنچنے کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کی اتباع سے ثواب بھی ہے، اس بارے میں شمائل میں پانچ حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا (لگایا) کرو، اس لیے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے''۔ (شمائلِ ترمذی:ص/۵)

حضرت ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

''حضور ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا (لگایا) کرتے تھے۔'' (شمائلِ ترمذی:ص/۵)

فائدہ: اثمد ایک خاص سرمے کا نام ہے، جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے، اور بلادِ مشرقیہ میں پیدا ہوتا ہے، بعض اکابر اس سے سرمہ اصفہانی مراد لیتے ہیں۔

سلائی کے بارے میں مختلف روایات ہیں، بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں تین، تین سلائی وارد ہوئی ہیں؛ اور بعض میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں میں دو آئی ہیں، یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض وقت حضور ﷺ ایسا کرتے تھے، اور بعض وقت ویسا۔

حضور کریم ﷺ کا لباس:

علماء فرماتے ہیں کہ:

واجب لباس: آدمی کا ایک لباس واجب ہوتا ہے، اور وہ اتنی مقدار ہے کہ جس سے سترِ عورت کیا جائے۔

مستحب لباس: اور وہ یہ ہے کہ جس کی شریعت میں ترغیب آئی ہے، جیسے عمدہ کپڑا عید کے لیے اور سفید کپڑا جمعہ کے لیے۔

حرام لباس: اور وہ ایسا لباس ہے کہ جس کے پہننے کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، جیسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا بلا عذر پہننا۔

مکروہ لباس: اور وہ ایسا لباس ہے کہ جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو، جیسے غنی کے لیے ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔

مباح لباس: جو کہ حسبِ عادت ورواجِ قومی پہنا جائے۔

اس باب میں سولہ حدیثیں شمائل میں مذکور ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ:

''حضور پرنور ﷺ سب کپڑوں میں کرتہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔'' [شمائلِ ترمذی: ص/ ۵] شاید اس لیے کہ اس میں ستر بھی زیادہ ہے اور تجمل وزینت بھی اچھی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

''حضور اکرم ﷺ کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسند تھی۔'' (شمائلِ ترمذی: ص/ ٦)

ان دو احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ یمنی منقش چادر بھی پسند تھی اور کرتہ بھی پسند تھا، اور اوڑھنے کے کپڑوں میں چادر زیادہ پسند تھی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کوئی کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسرت کے طور پر اس کا نام لیتے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے یہ کرتہ مرحمت فرمایا، ایسے ہی چادر وغیرہ، پھر یہ دعا پڑھتے:

" اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْد کَمَا کَسوتنیه أسئَلُکَ خَیْره وَ خَیْر ما صنع له ، و أعوذ بک من شره وشر ما صنع له "۔ (شمائلِ ترمذی:ص/۶)

''یااللہ! آپ کے لیے سب تعریفیں ہیں اوراس کپڑے کے پہنانے پرآپ ہی کاشکر ہے، یااللہ! آپ ہی سے کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں اورخوبی چاہتا ہوں، جس کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے، اورآپ ہی سے اس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، اوران چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے''۔

فائدہ: لباسِ فاخرہ بہ نیتِ حمد وشکر پہننا درست ہے، اورتکبر، خود پسندی اورشہرت کی بنا پرنا جائز وممنوع ہے، اور بعض صوفیہ نے جو شکستگی کی حالت کواختیار کیا ہے، وہ اس لیے کہ یہ شکستگی تواضع کی طرف لے جانے والی ہے، اور تکبر دور کرنے والی ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ، اس شکستگی کو کمال کا جال بنا کرلوگوں کودھوکے میں نہ ڈالے، ورنہ یہ شکستگی ممنوع وحرام ہے۔

آپ ﷺ کی روٹی اورکھانے کا تذکرہ:

حضورِانور ﷺ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا کرتے تھے، اورکھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے۔[شمائلِ ترمذی] وہ انگلیاں انگوٹھا، شہادت کی انگلی اوردرمیان والی انگلی ہیں، اوربعض روایات میں پانچ انگلیاں بھی آئی ہیں، اورآپ ٹیک لگا کرکھانا نہیں کھاتے تھے [کذارواہ ابوجحیفہ] اور ایک روایت میں ٹیک لگا کرکھجوروں کا کھانا آیا ہے، مگر وہ عذر کی وجہ سے ہے؛ کذارواہ انس بن مالک۔

(کذافی ترجمہ شمائلِ ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''حضوراقدس ﷺ کی وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے مسلسل دودن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھرکرکھانا نہیں کھایا''، یعنی کھجوروں سے اگر چہ پیٹ بھرنے کی نوبت آئی ہو، لیکن روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی، مگر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور پرنور ﷺ اپنی بیبیوں کوایک سال کا خرچ مرحمت فرمادیا کرتے تھے، تواس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ذخیرہ نفقہ حوالہ فرمادیا کرتے تھے، لیکن ازواجِ مطہرات شوقِ ثواب میں سب صدقہ فرمادیتی تھیں، اوریہ بھی ہوسکتا ہے کہ، وہ سال بھرکا خرچ اس حساب سے ہوکہ مسلسل دودن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو۔ (کذافی ترجمہ شمائل ترمذی)

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں اگر چہ بعض اہلِ ثروت تھے، لیکن حضور ﷺ کے غایتِ اخفا

(چھپانے) اور تحرُّز عن السؤال (سوال سے بچنے) کی وجہ سے ان کو علم نہیں ہوتا تھا، ایسے ہی آپ ﷺ کے اہل وعیال بھی اخفا کرتے تھے:

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور انور ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی پیالی اور طشتریوں میں نوش فرمایا، نہ آپ کے لیے کبھی چپاتی پکائی گئی۔'' (شمائلِ ترمذی:ص/۱۱)

یونسؒ کہتے ہیں کہ، میں نے حضرت قتادہؓ سے پوچھا کہ، پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ، چمڑے کے دسترخوانوں پر۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ،

''سرکہ بھی کیا اچھا سالن ہے! اس لحاظ سے کہ اس میں دقت ومحنت کم ہوتی ہے اور روٹی بے تکلف کھائی جاتی ہے''۔ (شمائلِ ترمذی:ص/۱۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور ﷺ کو کدو (لوکی)، جو کی روٹی اور گوشت کا شوربا مرغوب تھا۔'' (یہ حدیث کا خلاصہ ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''حضور اقدس ﷺ کو مٹھائی اور شہد پسند تھا''۔ (شمائلِ ترمذی:ص/۱۱)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''حضور ﷺ کی خدمت میں پہلو کا گوشت بھنا ہوا پیش کیا گیا، حضور ﷺ نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کیے نماز پڑھی۔'' (شمائلِ ترمذی:ص/۱۱)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت، مسجد میں کھایا۔'' (شمائلِ ترمذی:ص/۱۱)

فائدہ: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے، بشرطیکہ ریزہ وغیرہ سے مسجد خراب نہ ہو، ورنہ مکروہ ہوگا، اور ہمارے رواج اور دیہات وغیرہ میں لوگ رمضان میں مسجد میں کھانا کھاتے ہیں، جس سے مسجد ملوث ہوجاتی ہے، پھر کتے آ کر اسے چاٹتے ہیں، پھر ایسی چٹائی پر دھوئے بغیر نماز پڑھی جاتی ہے، نمازیں برباد ہوتی ہیں، لہٰذا مسجد میں نہ کھایا جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضوراقدس ﷺ نے فرمایا کہ: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے، جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔''

فائدہ: اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام کھانوں پر بھی نکلتی ہے، (ثرید، شوربے میں بھیگے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو، جو تمام خود گل جاتے ہیں، کہتے ہیں)۔

آپ ﷺ کا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے تورات میں پڑھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ کا دھونا) برکت کا سبب ہے، میں نے حضور ﷺ سے یہ مضمون عرض کیا، تو حضور پرنور ﷺ نے فرمایا کہ: کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے۔''

وہ کلمات جو آپ ﷺ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد پڑھتے:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا، میں نے آج تک ایسا کھانا جو ابتداءً (کھانے کے وقت) نہایت بابرکت ہو، اور ختم (ہونے) کے وقت بالکل بے برکت ہو گیا ہو، کبھی نہیں دیکھا، اس لیے حیرت سے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، شروع میں ہم لوگوں نے بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا، اور اخیر میں فلاں شخص نے بدون بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا''۔

فائدہ: شیطان کا کھانا جمہور علماء کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے، تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے '' **بسم اللّٰہ أولَه و اٰخرَهٗ** '' کہہ لے۔''

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹا! قریب ہو جاؤ، اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔''

فائدہ: کھانے کی ابتدا میں بسم اللہ کہنا بالاتفاق سنت ہے، اور دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے، اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

" الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجَعَلَنَا مسلمين " . ''تمام تعریف اس ذات پاک کے لیے ہے، جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔'' (ترمذی:۲/۱۸۴)

فائدہ: حضورِ اکرم ﷺ نے مسلمان ہونے کو کھانے پر شکریہ کے بعد اس لیے ملا دیا کہ انعاماتِ ظاہریہ کے ساتھ انعاماتِ باطنیہ بھی شامل ہیں، یا اس لیے کہ در حقیقت کھانے پینے پر شکر اور حق تعالیٰ کی حمد، اسلام کا ثمرہ ہے، اس لیے اس کو بھی شامل کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ:

''حق تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ بندہ کی اس بات پر بہت رضا مندی ظاہر فرماتے ہیں کہ، جب وہ ایک لقمہ کھانا کھائے یا ایک گھونٹ پانی پیئے، تو حق تعالیٰ شانہ کا اس پر شکر ادا کرے۔''

اللّٰهم لک الحمد ولک الشکر ، اللّٰهم لا أحصي ثناءً عليک !

خلقِ محمدی ﷺ:

اس سلسلے میں کمالاتِ نبوت اور خصوصیاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہیں، بلکہ صرف وہ سادہ حالات لکھنے مقصود ہیں، جن کو کوئی سعادت مند از لی اپنے لیے نمونہ بنا سکتا ہے، چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لقد كان لكم في رسول الله أُسوةٌ حسنةٌ "

''تمہارے لیے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ ﷺ کی چال۔'' (الاحزاب:۲۱)

حضورِ اکرم ﷺ امی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے؛ اور بعثتِ نبوت کے زمانے تک کسی عالم کی صحبت بھی میسر نہ ہوئی تھی، تیر افگنی (تیراندازی)، شہسواری، نیزہ بازی، سجع گوئی اور نسب دانی اس زمانے کے ایسے فنون تھے جنہیں شریف خاندان کا ہر ایک نوجوان حصولِ شہرت وعزت کے لیے ضرور سیکھ لیا کرتا تھا، مگر حضور ﷺ نے ان فنون میں سے کسی کو بھی اکتساباً حاصل نہ کیا اور نہ کسی فن پر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔

حضورِ انور ﷺ کی نسبت فرنچ پروفیسر ''سیڈیو'' لکھتا ہے:

''آں حضرت ﷺ خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکرِ خدا کرنے والے، لغویات سے دور، بیہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔

انصاف کے معاملے میں قریب اور بعید، آں حضور ﷺ کے نزدیک برابر تھے، مساکین سے محبت فرمایا کرتے تھے، غرباء میں رہ کر خوش ہوتے، کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کے باعث حقیر نہ سمجھتے، اور کسی بادشاہ کو بادشاہی کے باعث بڑا نہ سمجھتے، پاس بیٹھنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے، صحابہ سے

کمالِ محبت فرمایا کرتے، سفید (صاف) زمین پر (بلا کسی مسند وفرش کے) نشست فرمایا کرتے، اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے، دشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے۔"

(کذا فی سیرت رحمۃ للعالمین ناقلاً عن تاریخ پروفیسر سیڈیو: ص/۴۲)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) "کیمیائے سعادت" میں لکھتے ہیں:

"آں حضرت ﷺ مویشی کو چارا خود ڈالتے، اونٹ باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے، بکری دوہ لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے، خادم کو اس کے کام وکاج میں مدد دیتے، بازار سے چیز خود خرید لیتے، خود اسے اٹھا لیتے، ہر ادنیٰ واعلیٰ، خورد وبزرگ کو سلام پہلے کر دیا کرتے، جو کوئی ساتھ ہو لیتا، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے، نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رو تھے، مگر ہنستے نہ تھے، اندوہ گیں تھے، مگر ترش رُو نہ تھے، متواضع تھے، جس میں ادنائیت نہ تھی، باہیبت تھے، جس میں دُرشتی نہ تھی، سخی تھے مگر اسراف نہ تھا، ہر ایک پر رحم فرماتے، کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے، سر مبارک کو جھکائے رکھتے"۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ: ص/ ۳۸۵" میں فرماتے ہیں:

"حضور انور ﷺ کے سامنے جو شخص یکبارگی آجاتا، وہ ہیبت زدہ ہو جاتا، اور کوئی پاس آبیٹھتا، وہ آپ ﷺ کا فدائی بن جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کی، آپ ﷺ نے انہیں کبھی اُف (ہونہہ) تک نہ کہا، زبان مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہ آتی تھی، نہ کسی پر لعنت کیا کرتے، کنبے کی اصلاح اور درستی پر نہایت توجہ فرماتے، ہر شخص اور ہر چیز کی قدر ومنزلت سے آگاہ تھے، آسمانی بادشاہی کی جانب ہمیشہ نظر لگائے رکھتے"۔

صحیح بخاری میں ہے کہ:

"آں حضرت ﷺ مطیع کو بشارت سناتے، عاصی کو ڈراتے، بے خبروں کو پناہ دیتے، جملہ کاروباروں کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینے والے تھے، نہ درشت خو تھے، نہ سخت گو، چیخ کر نہ بولتے، بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیتے، معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے، گنہگار کو بخش دیتے، ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان دیتی، غافل دلوں کے پردے اٹھا دیتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تیری دُر فشانی نے قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا ، آنکھوں کو بینا کردیا
جو نہ تھے خود راہ پر ، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

آں حضرت ﷺ ہر ایک خوبی سے آراستہ، جملہ اخلاقِ فاضلہ سے متصف، سکینہ ان کا لباس، نیکوئی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل ان کی سیرت، ان کی شریعت سراپا راستی، ان کی ملت اسلام، ہدایت ان کی رہنما ہے، وہ ضلالت کو اٹھا دینے والے، گم ناموں کو رفعت دینے والے اور مجہولوں کو نام ور کر دینے والے تھے۔

سکوت اور کلام:

نبی اکرم ﷺ اکثر خاموش رہا کرتے تھے، بلا ضرورت کبھی گفتگو نہ فرمایا کرتے تھے، نہایت شیریں کلام اور کمال فصیح تھے، گفتگو ایسی دل آویز ہوتی تھی کہ سننے والے کے دل و رُوح پر قبضہ کر لیتی تھی۔

آں حضرت ﷺ کا یہ وصف ایسا مسلمہ تھا کہ مخالف بھی اس کی شہادت دیتے تھے، اور جاہل دشمن اسی کا نام سحر و جادو رکھتے تھے، سلسلۂ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا کہ کوئی خلل نہ ہوتا تھا، الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے تھے کہ، اگر سننے والا چاہے، تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا۔ (کذا فی زاد المعاد:۱/۴۷)

ہنسنا، رونا:

نبی اکرم ﷺ کبھی کھل کھلا کر نہ ہنسا کرتے تھے، تبسم ہی آپ کا ہنسنا تھا، آں حضرت ﷺ بسا اوقات نمازِ تہجد میں رو پڑا کرتے، کبھی کسی مخلص سے مرنے پر آبدیدہ ہو جاتے، آں حضرت ﷺ کے فرزند ابراہیم سلام اللہ علیہ، زمانۂ شیر خوارگی میں گزر گئے تھے، جب انہیں قبر میں رکھا گیا، تو حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (کذا فی الصحاح وغیر ذلک)

غذا کے متعلق ہدایت:

رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے، اور ایسا کرنے کو بڑھاپے کا سبب فرماتے۔ (کذا فی زاد المعاد:۲/۷۸)

قلیل غذا کی رغبت دلایا کرتے، کہ معدہ کا ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی کے لیے، اور ایک تہائی حصہ خود معدہ کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ (کذا فی زاد المعاد:۲/۸۷)

پھلوں اور ترکاریوں کا استعمال ان کی مصلح چیزوں کے ساتھ فرمایا کرتے۔ (کذا فی زاد المعاد:۲/۳۵)

مرض و مریض:

متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے اور تندرستوں کو اس سے محتاط رہنے کا حکم دیا کرتے۔ (کذا فی زاد المعاد:۲/۵۰)

(اس حدیث کے مقابل حدیث " **لا عدوی وَ لا طیرۃ** " ہے، ظاہر ہے کہ متعدی مرض میں بالذات کوئی تاثیر نہیں، ہاں! اگر سبب کے طور پر پرہیز کرے تو مباح و درست ہے۔)

بیمار کو طبیبِ حاذق سے علاج کرانے کا حکم فرماتے اور پرہیز کا حکم دیتے۔ (کذا فی زاد المعاد:۲/۳۵، ۴۶)

طبیبِ ناداں:

نادان طبیب کو طبابت سے منع کیا کرتے اور اسے مریض کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے، حرام اشیاء کو بطورِ دوا کے استعمال کرنے سے منع فرماتے، کہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہارے (امت کے) لیے شفا نہیں رکھی۔ (کذا فی زاد المعاد ناقلاً عن البخاری، عن ابن مسعود)

عیادتِ مریض:

صحابہ میں سے جو کوئی بیمار ہو جاتا، آپ ﷺ اس کی عیادت فرمایا کرتے، عیادت یعنی بیمار پرسی کے وقت مریض کے قریب بیٹھتے، بیمار کو تسلی دیتے: "**لا بأس طهورٌ (یا) كفارةٌ إن شاء الله**" فرمایا کرتے، مریض سے پوچھ لیتے کہ کس چیز کو دل چاہتا ہے، اگر وہ شئ اس کے لیے مضر نہ ہوتی، تو اس کا انتظام کر دیا کرتے، ایک یہودی کا لڑکا آں حضرت ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ [کذا فی زاد المعاد: ۱/۱۴۳] حالتِ مرض میں دوا کا استعمال فرمایا، اور لوگوں کو علاج کرنے کا ارشاد فرماتے۔

خطبہ خوانی:

زمین یا منبر پر کھڑے ہو کر یا شتر و ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے، جس کا آغاز تشہد سے اور اختتام استغفار پر ہوا کرتا، قرآن مجید کا پڑھنا اس خطبہ میں ضرور ہوتا، اور قواعد اسلام کی تعلیم اس خطبہ میں دی جایا کرتی تھی، ایسے خطبے جمعہ کے دن ہی پر موقوف نہ تھے، بلکہ جب ضرورت اور موقع ہوتا، تب ہی لوگوں کو مستفید فرما دیتے۔

فائدہ: علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ: جہال کا قول ہے کہ: نبی ﷺ کا خطبہ کے وقت تلوار لے کر کھڑا ہونا، یہ اشارہ تھا کہ دین بزورِ شمشیر قائم کیا گیا ہے، علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ جہال کا قول دو وجوہ سے غلط ہے:

(۱) تلوار پر خطبہ میں ٹیک لگانا ثابت نہیں۔

(۲) خطبہ خوانی کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا، اور مدینہ، بذریعہ قرآنِ کریم فتح ہوا ہے، نہ بذریعہ شمشیر، نیز فرمایا کہ: دین تو وحی سے قائم ہوا ہے۔ (زاد المعاد)

صدقہ و ہدیہ:

صدقہ کی کوئی چیز ہرگز استعمال نہ فرماتے، البتہ ہدیہ قبول فرماتے، مخلصین صحابہ نیز عیسائی اور یہودی جو چیزیں تحفہ بھیجتے، انہیں قبول فرمالیتے، ان کے لیے خود بھی تحفے ارسال فرماتے، مگر مشرکین کے ہدایا لینے سے انکار فرماتے۔

حضورِ اکرم ﷺ نے مقوقس شاہِ مصر کے بھیجے ہوئے خچر پر سواری فرمائی، جنگِ حنین کے دن وہی خچر

سواری میں تھا، لیکن عامر بن مالک مشرک کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو قبول نہ فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ: ہم مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ (کذافی زادالمعاد:۲/۱۶۱)

آں حضرت ﷺ کے پاس جو قیمتی تحائف آیا کرتے، اکثر اوقات انہیں اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیا کرتے۔

اپنی تعریف:

اپنی ایسی تعریف جس سے کسی دوسرے نبی کی کمی نکلتی ہو، پسند نہ فرمایا کرتے، آپ ﷺ نے فرمایا: " لا تخیروا بَیْنَ الأنْبِیَاء " نبیوں کے ذکر میں ایسا طرز اختیار نہ کرو کہ ایک کی دوسرے کے مقابلے میں کمی نکلتی ہو۔ (کذافی البخاری عن ابی سعید الخدری)

اظہارِ حقیقت یا عقیدہ کی اصلاح:

سیدنا ابراہیم فرزندِ رسول کا انتقال ہوگیا، اس روز سورج گرہن بھی ہوا، لوگ کہنے لگے کہ: ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج گہنایا گیا، نبی اکرم ﷺ نے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا: "سورج اور چاند کسی کے مرنے یا جینے پر نہیں گہنایا کرتے۔" (کذافی البخاری عن مغیرہ بن شعبہ)

مصلحت عامہ کا لحاظ:

جب قریش نے اسلام سے پہلے کعبہ کی عمارت بنائی، تو انہوں نے کچھ تو عمارتِ ابراہیمی میں سے اندر کی جگہ چھوڑ دی، پھر کرسی اتنی اونچی رکھی کہ زینہ لگانا پڑے، اور کعبہ میں دروازہ بھی صرف ایک رکھا، حضور اقدس ﷺ نے ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے، ورنہ میں اس عمارت کو گرادیتا، اور کعبہ کے جس حصے کو باہر کر دیا ہے، اس کو اندر کر دیتا، اور کعبہ کے دو دروازے رکھتا، ایک آنے کا، ایک جانے کا"۔ (کذافی البخاری عن ابن الزبیر عن عائشہ)

جب منافقین کے شرانگیز افعال وحرکات حد سے بڑھ گئے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے، حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: نہیں! بے خبر لوگ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگا۔ (کذافی سیرت رحمۃ للعالمین)

بشریت ورسالت:

حضورِ اکرم ﷺ ان احکام کو جو شانِ رسالت سے ظاہر ہوتے، ان افعال واقوال سے جو بطورِ بشریت صادر ہوتے، ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی کرتے۔

ایک دفعہ فرمایا: میں بشر ہوں، میرے سامنے جھگڑے آتے ہیں، کوئی شخص دوسرے فریق سے اپنے مدعا کو بہترین طریق پر ادا کرنے والا ہوتا ہے، جس سے گمان ہو جاتا ہے کہ وہ سچا ہے، اور میں اسی کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں، پس اگر کسی شخص کو کسی مسلمان کے حصے میں سے اس فیصلہ کے بموجب کچھ ملتا ہے، تو وہ سمجھ لے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے، اب خواہ لے لے، خواہ چھوڑ دے۔ (کذا فی البخاری کتاب المظالم عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا)

بچوں پر شفقت:

بچوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو خود السلام علیکم کہا کرتے۔ (کذا فی البخاری عن ابن عباس کتاب الطلاق)

ان کے سر پر ہاتھ رکھتے، انہیں گود میں اٹھا لیتے۔ (کذا فی المشکوٰۃ)

بوڑھوں پر عنایت:

فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے، ضعیف اور فاقد البصر (نابینا) باپ کو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں بیعتِ اسلام کرانے کے لیے لائے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: تم نے بوڑھے کو کیوں تکلیف دی؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا"۔

اربابِ فضل کی قدر و منزلت:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو غزوۂ خندق میں سخت زخمی ہو گئے تھے، یہودیانِ بنی قریظہ نے اپنا حکم اور منصف تسلیم کر کے بلایا تھا، جب وہ مسجد تک پہنچے، تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے، جو قبیلۂ اوس کے تھے، فرمایا: " قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ " (اپنے سردار کی پیشوائی کو جاؤ!) لوگ گئے، اور آگے بڑھ کر ان کو لے آئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اسلام کی تائید اور مخالفین کے جواب میں اشعار نظم کر کے لاتے، تو ان کے لیے مسجد میں منبر رکھ دیا جاتا، جس پر چڑھ کر وہ اشعار پڑھا کرتے۔

خادم سے برتاؤ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک مدینہ میں آں حضرت ﷺ کی خدمت کی، اس عرصے میں حضور ﷺ نے کبھی ان سے یہ نہ کہا کہ: "یہ کام کیوں کیا؟" "یہ کیوں نہ کیا؟" ایک روز آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی:

" اللهم أكثر ماله وولده وبارك له ما أعطيته "

"الٰہی! اسے مال بھی بہت دے، اور اولاد بھی بہت دے، اور جو کچھ اسے عطا کیا جائے، اس میں برکت بھی دے"۔

ادب وتواضع:

۱- آپ ﷺ مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔

۲- جو کوئی مل جاتا، اسے سلام پہلے خود کر دیتے۔

۳- مصافحہ کے لیے پہلے خود ہاتھ پھیلا دیتے۔

۴- صحابہ کو کنیت کے نام سے پکارتے (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی طریقہ ہے)۔

۵- کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے۔

۶- اگر نمازِ نفل میں ہوتے اور کوئی شخص آ بیٹھتا تو نماز کو مختصر کر دیتے، اور اس کی ضرورت پوری کر دینے کے بعد پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔

۷- اکثر متبسم رہتے (یعنی باوجود کثیر الحزن ہونے کے لوگوں سے متبسم رہتے)۔ (کذا فی الشفا، قاضی عیاض)

۸- آں حضرت ﷺ کی ایک ناقہ کا نام عضبا تھا، کوئی جانور اس سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، ایک اعرابی اپنی سواری پر آیا، اور عضبا سے آگے نکل گیا، مسلمانوں پر یہ شاق گزرا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''خدا تعالیٰ کی دنیا میں سنت یہی ہے کہ کسی کو اٹھاتا ہے، تو اسے نیچا بھی دکھاتا ہے''۔ (کذا فی البخاری)

۹- ایک شخص آیا، اس نے نبی اکرم ﷺ کو '' یا خیرَ البریّۃِ '' (برترین خلق) کہہ کر بلایا، آپ ﷺ نے فرمایا: '' ذاک إبراھیم ''، یہ شان تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ (کذا فی البخاری)

۱۰- ایک شخص حاضر ہوا، وہ نبی اکرم ﷺ کی ہیبت سے کانپ گیا، حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: '' کچھ پروانہ کرو! میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک غریب عورت کا فرزند ہوں، جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی''۔
(کذا فی صحیح البخاری)

شفقت ورأفت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: کوئی شخص بھی اچھے اخلاق میں آں حضرت ﷺ جیسا نہ تھا، خواہ صحابہ میں سے کسی کو بلاتا یا گھر کا کوئی فرد بلاتا، حضور پرنور ﷺ اس کے جواب میں لبیک (حاضر) ہی فرمایا کرتے۔
(کذا فی البخاری)

عباداتِ نافلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے، تاکہ امت پر اس قدر عبادت کرنا شاق نہ ہو، جب کسی معاملہ میں دو صورتیں سامنے آتیں تو آسان صورت کو اختیار فرماتے۔ (کذا فی البخاری)

وعظ ونصیحت کبھی کبھی فرمایا کرتے تا کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔(کذا فی البخاری)

عدل ورحم:

اگر دوشخصوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تو عدل فرماتے، اور اگر کسی شخص کا نفس مبارک (آپ ﷺ کی ذات) کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔

فاطمہ نامی ایک عورت نے مکہ میں چوری کی، لوگوں نے حضرت اسامہ سے، جو آں حضرت ﷺ کو بہت پیارے تھے، سفارش کرائی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو؟ سنو! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی ایسا کرتی تو میں حدود جاری کرتا''۔ (کذا فی البخاری عن عائشہ)

دشمنوں پر رحم:

مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں کھانا شروع کر دیں، ابوسفیان بن حرب (جو اُن دنوں دشمن غالی تھا) حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا، عرض کیا: محمد! آپ تو لوگوں کو صلہ رحمی (یعنی قرابت داروں سے حسنِ سلوک) کی تعلیم دیا کرتے ہیں، دیکھئے! آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کیجئے، نبی اکرم ﷺ نے دعا دی، آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے خوب ہی بارش ہوئی۔

حضرت ثمامہ بن اثال نے نجد سے مکہ جانے والا غلہ بند کر دیا، اس لیے کہ اہلِ مکہ آپ ﷺ کے دشمن تھے، آں حضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ (کذا فی الشفاء، قاضی عیاض)

جود وکرم:

آپ ﷺ سائل کو رد نہ فرماتے، زبان مبارک پر حرفِ انکار نہ لاتے، اگر کبھی دینے کو پاس نہ ہوتا، تو سائل سے ایسے عذر کرتے، جیسے کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔

ایک شخص نے آ کر سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے، تم میرے نام پر قرض لے لو، میں اسے اتار دوں گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں، نبی کریم ﷺ چپ سے ہو گئے، ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا: یا رسول

اللہ! خوب دیجیے، رب العرش مالک ہے، تنگدستی کا کیا ڈر ہے؟ حضورِ پُرنور علیہ الصلاۃ والسلام ہنس پڑے، خوشی کے آثار آشکارا ہوگئے؛ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! مجھے بھی یہی حکم ملا ہے''۔ (کذافی البخاری)

ایک بار سائل آیا، آپ ﷺ نے اس کو آدھا وسق غلہ قرض لے کر دیا، قرض خواہ جب تقاضے کے لیے آیا، تو حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ''ایک وسق غلہ دے دو، آدھا تو قرض کا ہے، آدھا ہماری طرف سے ہے۔''

(کذافی الشفاء)

حضرت عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ''اگر کسی شخص کی کوئی حرکت نبی ﷺ کو پسند نہ آتی، تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے، بلکہ الفاظ میں اس حرکت وفعل کو منع فرماتے۔''

جب کوئی عذرخواہ سامنے آکر معافی کا طالب ہوتا، تو آں حضرت ﷺ شرم سے گردن مبارک جھکا لیتے۔ (کذافی شمائل الترمذی)

زید بن سعنہ ایک یہودی تھا، حضورِ اکرم ﷺ کو اس کا قرضہ دینا تھا، اس یہودی نے آتے ہی چادر آپ کے شانہ مبارک سے اتار لی، جسم کے کپڑے پکڑ لیے اور ٹرانے لگا کہ: عبدالمطلب والے بڑے نادہندہ ہوتے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے جھڑک دیا، حضورِ اکرم ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: ''عمر! تم مجھے حسنِ ادائیگی کے لیے کہتے، اور اُسے حسنِ تقاضا سکھاتے''۔ پھر حضورِ اکرم ﷺ زید کی جانب مخاطب ہوئے، فرمایا: ''ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں''، پھر حضرت عمر سے فرمایا: ''اس کا قرضہ ادا کردو، بیس صاع زیادہ بھی دینا کیوں کہ تم نے اسے دھمکایا اور ڈرایا بھی تھا۔'' (کذافی الشفاء، قاضی عیاض)

آں حضرت ﷺ وعظ اور تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے، وہاں کے باشندوں نے حضور پرنور ﷺ پر کیچڑ پھینکی، آوازیں کسی، اتنے پتھر مارے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لہو سے تر بہ تر اور بے ہوش ہوگئے، پھر بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا: ''میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا، اگر یہ ایمان نہ لائے تو امید ہے کہ، ان کی اولاد مسلمان ہوجائے گی۔'' (کذافی البخاری)

عفوورحم:

حضرت عائشہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ: ''نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذاتِ مبارک کی بابت کسی سے انتقام نہیں لیا''۔(کذافی البخاری)

جنگِ اُحد میں کافروں نے نبی اکرم ﷺ کا ایک دانت مبارک توڑا، سر پھوڑا، حضور ﷺ ایک غار میں گر گئے، صحابہ نے عرض کیا کہ: ان پر بددعا فرمایئے! تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا، خدا نے مجھے لوگوں کو اپنی بارگاہ میں بلانے کے لیے بھیجا ہے''۔اس کے بعد یہ دعا فرمائی: ''اے خدا ! میری قوم کو ہدایت فرما، وہ مجھے نہیں جانتے''۔ (کذافی الشفاء، قاضی عیاض)

عفت وعصمت:

آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''ایام جاہلیت کی رسموں میں سے میں نے کبھی کسی میں حصہ نہیں لیا، صرف دو دفعہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خود ہی بچالیا، دس برس سے کم عمر تھی، میں نے اس چرواہے سے، جس کے ساتھ میں بکریاں چراتا تھا، کہا: اگر تم میری بکریاں سنبھالو، تو میں مکہ (آبادی کے اندر) جاؤں، جیسے اور نوجوان کہانیاں کہتے اور سنتے ہیں، میں بھی کہانیاں کہوں اور سنوں' اس ارادہ سے میں شہر آیا، پہلے ہی جس گھر میں پہنچا، تو وہاں دف اور مزامیر بج رہے تھے، اس گھر میں بیاہ تھا، میں انہیں دیکھنے لگا، نیند نے غلبہ کیا، سو رہا، جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی، دوسری دفعہ اس ارادہ سے نکلا تو اسی طرح نیند آ گئی اور وقت گزر گیا، ان دفعہ کے علاوہ کبھی رسم جاہلیت کا ارادہ نہیں کیا''۔ (کذافی الشفاء)

۞۞۞۞۞

حضور ﷺ کے بعض معجزات

اگر نظرِ صحیح سے کام لیا جائے، تو آپ ﷺ کے معجزات ضبط اور احصاء (گنتی) سے متجاوز ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کا ہر قول، ہر فعل اور ہر حال باعتبار تضمنِ حِکَم، مصالح اور اسرار کے خارقِ عادت ہے، اور ظاہر ہے کہ اقوال، افعال اور احوال کی تمام جزئیات کا حصر عادتاً ناممکن ہے، اور نہ واقع ہوا ہے، اور ان حکمتوں کا تفصیلی علم عرفاء اور حکمائے الٰہی کے صدور وقلوب میں القا ہوتا ہے، اور ان کا اجمالی تذکرہ کتبِ اسرارِ شریعت میں، جیسے: اِمام غزالی، اِمام شعرانی اور شاہ ولی اللہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالی کی تصنیف میں جستہ جستہ پایا جاتا ہے؛ تو اس بنا پر آپ ﷺ کے معجزات حدوشمار سے بڑھ کر ہوئے، لیکن چونکہ اس کا ادراک عوام کا حصہ نہیں ہے، اس لیے اس سے قطعِ نظر کر کے صرف ان ہی خوارق پر اکتفا کیا جائے جو نظرِ ظاہر وعامی میں بھی خارق ہیں، تو وہ بھی دس ہزار سے کم نہیں، چناں چہ سات ہزار سات سو معجزات پر تو صرف قرآن مجید اپنی بلاغت کے اعتبار سے مشتمل ہے، قطعِ نظر اس کے وہ اخبار عن المغیبات پر بھی مشتمل ہے؛ محدثینؒ واہلِ سیر نے اپنے علم کے موافق آں حضور ﷺ کے، جو معجزات لکھے ہیں، وہ بقول محدثین تین ہزار ہیں، جن میں سے ایک ہزار معجزات اِمام سیوطی رحمہ اللہ نے خصائصِ کبریٰ میں نقل کئے ہیں، اور تین سو سے زائد "الکلام المبین" میں مذکور ہیں، تو اس حساب سے تین ہزار سے زائد ہوئے، اس کتاب میں ایک تقریر بطورِ تمہید کے لکھی ہے، جس میں آپ ﷺ کے معجزات کا عالم کے تمام اقسام سے متعلق ہونا بیان کیا ہے، چوں کہ یہ رسالہ نہایت ہی مختصر ہے، اس لیے صرف اس تقریر کو اس کے دِل پذیر ہونے کی وجہ سے نقل کر کے معجزات کی تمام اقسام میں سے دو چار پر اکتفا کرتا ہوں، وہ تقریر ملخصاً یہ ہے:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ یعنی اے محمد ﷺ! نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے تمام عالموں کے۔ [الانبیاء:۱۰۷] صحیح مسلم میں ہے کہ، آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت آئے گی، جب زمین پر کوئی اللہ کہنے والا نہ رہے گا (اور ظاہر ہے کہ اللہ، اللہ کہنے والے آپ ﷺ کے ماننے والے ہیں)، پس آپ ﷺ ہی کی رسالت سب عالموں کی بقا و دامن کا سبب ہے، نہ صرف نوعِ انسان، بلکہ سب اقسام عالم آپ ﷺ کی رسالت سے نفع یاب ہیں، اسی لیے اللہ جل جلالہٗ نے آپ ﷺ کو جمیع اقسامِ عالم میں

معجزات عطا فرمائے (اور چوں کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہے اور دلیل شاہد ہوتی ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ تمام اقسامِ عالم باعتبار تعلق معجزات کے، آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور شہادت دینے والی ہیں، پس آپ ﷺ کی شان کیسی عظیم ہے کہ، جس طرح توحید پر تمام عالم گواہ ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی رسالت پر تمام عالم گواہ ہے)، چناں چہ اس کا بیان یہ ہے کہ:

تمام عالم دو قسم پر ہے: عالَم معانی اور عالَم اعیان۔

عالم معانی: ان چیزوں سے عبارت ہے کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا، بلکہ دوسری چیز کے ذریعہ پائی جاتی ہیں، یعنی وہ بذاتِ خود قائم نہیں ہوتیں، اس لیے انہیں عرض بھی کہتے ہیں، جیسے: کلام، علم، رنگ اور بو وغیرہ۔

عالم اعیان: ان چیزوں سے عبارت ہے، جو بذاتِ خود قائم ہوں اور انہیں جوہر بھی کہتے ہیں، جیسے: زمین، آسمان، آدمی اور درخت وغیرہ۔

پھر عالم اعیان دو قسم پر ہے:

عالم ذوی العقول: یعنی وہ جو عقل رکھتے ہیں، جیسے: انسان اور جن۔

اور عالم غیر ذوی العقول: یعنی وہ جو عقل نہیں رکھتے، جیسے: جمادات وحیوانات۔

پھر اوّل یعنی ذوی العقول تین قسم پر ہے: عالَمِ اِنسان، عالَمِ ملائکہ اور عالَمِ جنات۔

اور ثانی یعنی عالَم غیر ذوی العقول، یا تو علوی ہوگا یعنی آسمان اور ستارے، یا سفلی یعنی وہ اجسام جو آسمان کے تلے ہیں۔

عالم سفلی دو قسم پر ہے: عالَم بسائط اور عالَم مرکبات۔

عالم بسائط: عناصرِ اربعہ، یعنی آب، آتش، باد اور خاک سے عبارت ہے۔

عالم مرکبات تین قسم پر ہیں: جمادات اور حیوانات، اور انہیں موالید ثلاثہ بھی کہتے ہیں۔

پس عالم کی تفصیلی اقسام نو ہوئیں: عالَم معانی، ملائکہ، انسان، جن، عالم علوی؛ افلاک وکواکب، بسائط یعنی عناصرِ اربعہ، جمادات، نباتات اور حیوانات۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی مرکبات کی تقسیم اس طرح فرماتے ہیں کہ:

ایک مرکب وہ ہے کہ، جس میں ایسا مزاج ہو کہ مرکب کی ترکیب کو چندے محفوظ رکھ سکے، اور ایک وہ کہ محفوظ نہ رکھ سکے، ثانی کو کائنات الجوّ کہتے ہیں، جیسے اَبر وغیرہ، اور اوّل کی وہی تین قسمیں ہیں، جو موالید ثلاثہ کہلاتی

ہیں، پس اس طرح سے کل اقسام دس ہوئیں، نو وہ جو مذکور ہوئیں، دسویں کائنات الجوّ، اور ہر قسم میں جناب رسول اللہ ﷺ کے معجزات ظاہر ہوئے ہیں، اس بنا پر دس اقسام پر باب لائے گئے ہیں، اور ہر دس اقسام میں دو سے چار تک معجزات لیے ہیں، جن کو بہ ترتیبِ اقسام ذکر کیا جاتا ہے:

عالمِ معانی میں معجزہ:

۱- قرآن مجید: اپنی بلاغت، فصاحت اور اخبار عن المغیبات کے اعتبار سے۔

۲- وہ خبریں جو آپ ﷺ نے قبل الوقوع بیان فرمائیں، جیسے صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک وعظ فرمایا، جس میں جتنے اُمور قیامت تک ہونے والے تھے، سب بیان فرمادیئے؛ جس نے یاد رکھا اُس کو یاد رہے، اور جو بھول گیا سو بھول گیا، اور میرے ان اصحاب کو ان بیان شدہ اشیاء کی خبر ہے، اور اس میں سے بعض شے ایسی ہوتی ہے کہ، میں اسے بھول گیا تھا، پھر جب میں اُسے دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آجاتی ہے، یعنی خبر کے وقوع کے بعد پہچان جاتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے، جس کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی، یعنی جس طرح کسی شخص کی صورت آدمی کو یاد ہو اور وہ شخص غائب ہوجائے، پھر جب اُسے دیکھتا ہے تو پہچان جاتا ہے۔

۳- وہ واقعاتِ حالی جو آپ ﷺ نے بغیر دیکھے بیان فرمادیئے، جیسے اِمام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے (غزوۂ موتہ کے قصے میں) حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر، اس وقت لوگوں کو سنادی تھی، جب کہ ابھی ان کی شہادت کی خبر نہیں آئی تھی، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نشان (جھنڈا) لیا زید نے، پس شہید ہوا، پھر نشان لیا جعفر نے پس شہید ہوا، پھر نشان لیا ابن رواحہ نے پس شہید ہوا، اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوں جاری تھے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آخر کو ایک خدا کی تلوار (حضرت خالد) نے نشان لیا اور فتح حاصل ہوئی (پھر اسی کے مطابق خبر آئی)۔

عالمِ ملائکہ میں معجزہ:

۴- صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: بدر کے دن مسلمانوں کا ایک شخص مشرکوں کے ایک شخص کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ ناگاہ اس نے ایک کوڑا مارنے اور ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: بڑھ اے حیزوم! سو کیا دیکھتا ہے کہ، وہ مشرک اس کے آگے چت پڑا ہے، اور کوڑے کی وجہ سے اس کی ناک

ٹوٹ گئی ہے اور منہ پھٹ گیا ہے، اور یہ سب جگہ سبز ہوگئی ہے، وہ شخص مسلمان اور انصار تھا، اس نے آں حضور ﷺ کے حضور میں اِس واقعہ کو بیان کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے! یہ تیسرے آسمان کی مدد میں کا، فرشتہ تھا۔

فائدہ: حیزوم فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لیے، اکثر غزوات میں فرشتوں کو بھیجا، چناں چہ بدر، اُحد اور حنین میں فرشتوں نے مدد کی۔

۵- بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابن سعد نے طبقات میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کی ہے کہ: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: مجھے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دِکھا دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نہ دیکھ سکو گے، انہوں نے کہا: آپ دکھا دیجئے، تب آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ! وہ بیٹھ گئے، اور حضرت جبریل علیہ السلام کعبہ پر اُترے، آپ ﷺ نے حضرت حمزہ سے فرمایا: نگاہ اُٹھاؤ! انہوں نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا، حضرت جبریل علیہ السلام کا جسم زبرجد اخضر یعنی چمکتے ہوئے سبز زمرد کی طرح تھا، سو حضرت حمزہ غش کھا کر گر گئے۔

عالم انسان میں معجزہ:

٦- ظہورِ ہدایت: جیسے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا تھا، اور وہ مشرکہ تھی، ایک دن میں نے اس سے اسلام لانے کے لیے کہا، تو اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں بے ادبی کا کلمہ کہا، جو مجھے ناگوار ہوا، اور میں روتا ہوا آں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور میں نے کہا: اے رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ خدا تعالیٰ میری ماں کو ہدایت دے، آپ ﷺ نے فرمایا: " اَللّٰھُمَّ اھْدِ أُمَّ أَبِيْ ھُرَیْرَۃَ " یا اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے، میں آں حضور ﷺ کی دعا سن کر خوش ہوتا ہوا اپنے گھر آیا، دیکھا تو دروازہ بند تھا، اتنے میں میری ماں نے میرے پاؤں کی چاپ سن کر کہا کہ: ابو ہریرہ! وہیں ٹھہرا رہ، اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی، میری ماں نے نہا کر اور کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کہا: اے ابو ہریرہ! "**أشھد أن لا إلٰہ إلا اللٰہ و أشھد أنَّ محمدًا عبدہ و رسولہ**"، میں خوش ہو کر شدتِ خوشی سے روتا ہوا، پھر آں حضرت ﷺ کے حضور میں آیا اور اپنی ماں کے اسلام لانے کی خبر دی، آنحضور ﷺ حمدِ الٰہی بجا لائے۔

۷۔ ظہورِ برکت: جیسے بیہقی نے روایت کی ہے کہ، جناب رسول اللہ ﷺ نے حنظلہ بن خدیم کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کی، سواس کے بعد ان کا یہ حال ہو گیا تھا؛ اگر کسی آدمی کے منہ میں ورم ہوتا، یا کسی بکری کے تھن میں ورم ہو جاتا، اور ورم والی جگہ کو حضرت حنظلہ کے سر کے اس حصے پر لگا دیا جاتا، جہاں جناب رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ لگایا تھا تو ورم جاتا رہتا۔

۸۔ شفائے مرضیٰ: جیسے بیہقی، طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ: حبیب بن فدک کے باپ کی آنکھ میں پھلی پڑ گئی اور وہ بالکل اندھے ہو گئے، آں حضرت ﷺ نے اُن کی آنکھوں پر دَم کیا، اسی وقت ان کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اسّی برس کی عمر میں انہیں سوئی میں ڈورہ ڈالتے دیکھا۔

۹۔ قہرِ بے ادباں: جیسے اِمام مسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ، ایک شخص آں حضور ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: سیدھے ہاتھ سے کھا، اس نے کہا کہ میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، حالاں کہ اس کا سیدھا ہاتھ اچھا تھا، اس نے سراسر غلط، از روئے بیبا کی واستنکاف (داہنے ہاتھ سے کھانے کو ننگ وعیب جان کر) یہ بات کہی تھی، تب آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تو سیدھے ہاتھ سے نہ کھا سکے گا! اس کا ایسا ہی حال ہو گیا کہ، اس کا سیدھا ہاتھ اس کام سے جاتا رہا، چناں چہ منہ تک ہاتھ نہیں پہنچا سکتا تھا۔

عالمِ جن میں معجزہ:

۱۰۔ خطیب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی کہ: ......ایک بار آں حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، راہ میں ایک گاؤں میں پہنچے، اس گاؤں کے آدمی آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر گاؤں کے باہر منتظر تھے، جب آپ وہاں پہنچے تو انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اس گاؤں میں ایک نوجوان عورت ہے، جس پر ایک جن عاشق ہے، اور اس پر آ چڑھا ہے، نہ وہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، قریب ہے کہ ہلاک ہو جائے، جابر کہتے ہیں: کہ، میں نے اس عورت کو دیکھا، بہت خوبصورت تھی، جیسے چاند کا ٹکڑا، آنحضور ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا: اے جن! تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ محمد رسولِ خدا ہوں، اس عورت کو چھوڑ دے اور چلا جا! آپ ﷺ کے یہ فرماتے ہی، وہ عورت ہوشیار ہو گئی، منہ پر نقاب کھینچ لیا، اور مردوں سے شرم کرنے لگی، اور بالکل صحیح ہو گئی۔

۱۱- ترمذی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: ان کے ایک بخاری یعنی غلے کی کوٹھری میں کھجور بھرے تھے، سوایک جنّیہ آکر اس میں سے نکال لے جاتی، انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ! اوراب کے جب اس کو دیکھو، تو یوں کہنا: "بِسْمِ اللّٰہِ اَجِیْبِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ" یعنی اللہ کا نام لیکر کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر چل، سوانہوں نے اس کو پکڑلیا، پھراس کے قسم کھانے پر کہ اب نہ آؤں گی، چھوڑ دیا الیٰ آخر الحدیث۔

فائدہ: یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے کہ باوجود اس کے مومن نہ ہونے کے بھی محض آپ ﷺ کے نام کی برکت سے گرفتار ہوگئی۔

عالمِ علوی افلاک وکواکب میں معجزہ:

۱۲،۱۳- چاند کے دوٹکڑے ہوجانا، کواکب کے متعلق، اور معراج میں سماوات کو طے کرنا، افلاک کے متعلق صریح اور عظیم معجزے ہیں۔

عالم بسائط: خاک میں معجزہ:

۱۴- عناصر متعلق خاک: جیسے صحیحین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک نے ہمارا پیچھا کیا، سو میں نے اسے دیکھ کر کہا: یارسول اللہ! ہمیں ایک شخص نے دیکھ لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "لاَ تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" یعنی غم مت کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔[التوبۃ:۴۰] پھر آپ ﷺ نے سراقہ کے لیے بددُعا کی، سواس کا گھوڑا سخت زمین میں پیٹ تک دھنس گیا، اور اس نے کہا کہ: مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ تم دونوں صاحبان نے میرے لیے بددُعا کی ہے، اب دُعا کرو کہ میں نجات پاؤں، اور میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے طلب کرنے والوں کو میں پھیردُوں گا، آں حضور ﷺ نے اس کی نجات کی دُعا کی، سواس نے نجات پائی اور پھر گیا، اور جو کوئی اس سے ملتا تھا، اُسے پھیر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ: اِدھر کوئی نہیں۔

آب میں معجزہ:

۱۵- پانی سے متعلق: جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حدیبیہ میں لوگوں کو پیاس لگی، جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک لوٹا تھا، جس سے کہ آپ نے وضو کیا، سب لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے لشکر میں نہ پینے کے لیے پانی ہے اور نہ وضو کے لیے، بس اسی

قدر پانی ہے؛ جو آپ کے اس لوٹے میں بچ رہا ہے، (کیوں کہ حدیبیہ کے کنویں میں پانی کی قلت کی وجہ سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا تھا، جو کچھ تھا سب کھینچ لیا گیا تھا، رواہ البخاری) پس آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک کو لوٹے میں رکھا اور پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے جوش مارنے لگا، سو ہم سب آدمیوں نے پانی پیا اور وضو کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: تم سب کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا کہ: اگر لاکھ آدمی ہوتے تو کفایت کر جاتا (یعنی پانی اتنا کثیر تھا) مگر ہم پندرہ سو آدمی تھے۔

آتش میں معجزہ:

۱۶- آگ سے متعلق: جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: خندق کے دنوں میں انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے لیے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا، اور ایک صاع (یعنی تین سیر سے کچھ زائد) جو کا آٹا تیار کیا، اور آپ ﷺ کی خدمت میں چپکے سے آ کر اس کی اطلاع کی، اور عرض کیا کہ: آپ مع چند آدمیوں کے تشریف لے چلیں، آپ ﷺ نے تمام اہلِ خندق کو: جو ایک ہزار تھے، پکار کر جمع کرلیا اور ساتھ لے چلے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ہانڈی مت اتاریو، اور آٹے کو مت پکائیو، جب تک میں نہ آؤں، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے گوندھے ہوئے آٹے اور ہانڈی میں لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ایک اور پکانے والی بلاؤ، اور ہانڈی میں سے شوربا نکال نکال کر دو، ہانڈی کو چولہے پر سے نہ اتارو، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کھانے والے ہزار آدمی تھے، خدا کی قسم! سب ہوں نے (تمام لوگوں) نے کھایا، مگر ہماری ہانڈی ویسی ہی جوش میں رہی جیسے پہلے تھی، اور آٹا بھی اتنا ہی رہا، جتنا پہلے تھا۔

فائدہ: اس سے عالم آتش میں بھی ایک خرقِ عادت امر ظاہر ہوا، کہ آگ کا شوربے میں وہ اثر ظاہر نہیں ہوا کہ آگ سے شوربا کم ہو جائے، بلکہ اس کے برعکس آگ، شوربے میں اضافے کا سبب بن گئی، جیسا کہ چولہے سے اتارنے کی ممانعت سے معلوم ہوتا ہے، اس اضافے میں آگ کا بھی دخل تھا۔

ہوا میں معجزہ:

۱۷- متعلقِ ہوا: جیسے اسی غزوۂ خندق میں واقع ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر ایسی ٹھنڈی پُروائی ہوا (بادِ مشرق) بھیجی کہ خوب کڑاکے کا جاڑا پڑا، اور ہوا نے ان (افواجِ کفار) کو نہایت عاجز اور تنگ کیا، بے شمار غبار ان کے مونہوں پر ڈالا، ان کی آگ بجھا دی، ان کی ہانڈیاں الٹ دیں، ان کی میخیں اکھاڑ دیں کہ ان کے خیمے گر پڑے، ان کے گھوڑے کھل کر آپس میں لڑنے لگے، اور چھوٹ کر لشکر میں دُند (شور) مچا دیا، اس وقت آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کفار کی خبر لانے کے لیے مامور فرمایا، اور ان کے

لیے شدتِ سردی سے حفاظت کی دعا فرمائی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ کی دعا کی برکت تھی کہ مجھے جانے آنے میں مطلق سردی معلوم نہ ہوئی؛ بلکہ ایسا حال تھا کہ گویا میں حمام میں چلا جاتا ہوں۔ (بعضہ من تواریخ حبیب الہ، مطبوعہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی)

فائدہ: ایسی سخت ہوا کا حضرت حذیفہ پر اثر نہ کرنا صریح خارق (خلاف عادت) ہے۔

عالم کائنات الجو:

۱۸- جو چیزیں آسمان اور زمین کے درمیان ہیں، جیسے بادل وغیرہ، ان کو "عالم جو" کہتے ہیں؛ جیسے صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک بار قحط ہوا، سوایک بار آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ، ایک اَعرابی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! مال ہلاک ہوگیا اور عیال بھوکوں مر رہے ہیں، آپ مینھ کے واسطے دعا کیجیے، آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے، اور اس وقت اَبر کا کوئی ٹکڑا نہ تھا، خدا کی قسم! کہ ابھی آپ ﷺ ہاتھ رکھنے نہ پائے تھے کہ پہاڑوں کی مانند ہر طرف سے اَبر گھر آیا، آپ ﷺ منبر سے اترنے نہیں پائے تھے کہ، ریش مبارک سے مینھ کے قطرات گرنے لگے، سواس دن سے دوسرے جمعہ تک مینھ برسا، پھر جمعہ کے دن اسی اَعرابی نے یا کسی دوسرے شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ: مکانات گر پڑے، اور مال ڈوب گیا، آپ دعا فرمائیے کہ مینھ تھم جائے، آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے اور ہم پر نہ برسے، اور ابر کی طرف آپ نے اشارہ کیا وہیں کھل گیا، سو مدینہ پر پانی برسنا بالکل موقوف ہوگیا اور مدینہ کے اردگرد برستا رہا، اطراف سے جو لوگ آتے تھے، مینھ کی کثرت بیان کرتے تھے۔

فائدہ: آپ ﷺ کی دعا سے ابر کا فوراً اٹھ آنا اور اشارہ سے اَبر کا ہٹ جانا، ان دونوں میں خارقِ سحاب کا ظہور ہے۔

۱۹- جیسے صاعقہ میں: جس کو کمالین (شرح جلالین) میں نسائی، ابن جریر اور بزار کی طرف منسوب کرکے نقل کیا ہے کہ: آپ ﷺ نے ایک شخص کے پاس کسی کو دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا، اس نے آپ ﷺ کی اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ کہا کہ رسول اللہ کون ہوتے ہیں؟ اللہ کیسا ہوتا ہے؟ سونے کا؟ یا چاندی کا؟ یا تانبے کا؟ معاً اُس پر بجلی گری اور اُس کی کھوپڑی اڑادی۔

فائدہ: ظاہر ہے کہ اس واقعے میں آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کو بھی دخل ہے، اس اعتبار سے صاعقہ میں معجزے کا ظہور ہے، جو کہ کائنات جو سے ہے۔

عالم جمادات اور عالم نباتات میں معجزہ:

۲۰۔ امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ: میں آں حضرت ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا، آپ ﷺ مکہ کے بعض اطراف کی طرف نکلے، اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا، سو جو پہاڑ یا درخت سامنے آتا وہ یہ کہتا: '' **السلام علیک یا رسول الله!** ''۔

فائدہ: چونکہ پہاڑ، جمادات میں سے ہیں، اور درخت، نباتات میں سے، سو دونوں میں معجزہ کا ظہور رہا۔

۲۱۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آں حضرت ﷺ خطبہ کے وقت مسجد کے ایک ستون پر جو کہ کھجور کے درخت کا تھا، تکیہ لگا لیتے تھے، جب منبر بنا، تب آں حضرت ﷺ نے منبر پر خطبہ پڑھنا شروع کیا، یکبارگی وہ ستون چلا کر زور سے رونے لگا، قریب تھا کہ پھٹ جائے، آں حضرت ﷺ منبر سے اترے اور اس ستون کو اپنے بدن مبارک سے چمٹا لیا، سو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لینے لگا؛ جس طرح وہ بچہ، ہچکیاں لیتا ہے، جس کو زور سے چپ کرایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا رونا تھم گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: چونکہ یہ ہمیشہ ذکر سنا کرتا تھا، اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

فائدہ: یہ ستون باعتبار اصلی حالت کے نباتات میں سے تھا، اور باعتبار موجودہ حالت کے جمادات میں سے، پس اس معجزہ کو دونوں قسموں سے تعلق ہے، اور اس کے رونے میں جس طرح مفارقت کو دخل ہے، اسی طرح مفارقتِ ذاکر یعنی ذاتِ مقدسہ نبویہ کو بھی، ورنہ سینے سے لگانے سے خاموش نہ ہوتا، پس اس حیثیت سے آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔

۲۲۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھوڑے سے چھوہارے لایا اور عرض کیا کہ: ان چھوہاروں کے لیے دعائے برکت کیجئے! آپ ﷺ نے ان چھوہاروں کو اکٹھا کر کے ان کے لیے دعائے برکت کی اور مجھ سے فرمایا: کہ: انہیں لے کر اپنے توشہ دان میں ڈال دو، جب تمہارا جی چاہے، اس میں سے نکال لیا کرو؛ مگر اسے جھاڑ نا مت، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ: ان چھوہاروں میں ایسی برکت ہوئی کہ میں نے اتنے اتنے وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، اور ایک صاع وہ برتن ہے، جس میں ساڑھے تین سیر گندم سما سکے) اللہ کی راہ میں خرچ کئے، اور ہمیشہ اس میں سے کھاتا اور کھلاتا رہا، اور وہ توشہ دان ہمیشہ میرے گھر میں لگا رہتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن (قریب قریب تیس برس کا زمانہ ہوتا ہے) میری کمر میں سے کٹ کے کہیں گر پڑا اور جاتا رہا۔

فائدہ: یہ معجزہ ایسی چیز میں ظاہر ہوا جو اصل میں نبات کا ثمرہ ہے، اور فی الحال جماد ہے، اس کو بھی دونوں سے

تعلق ہوا۔

عالم حیوانات میں معجزہ:

۲۳- مسند احمد اور دارمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: جناب رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ بڑا شریر تھا، جو کوئی باغ میں جاتا، اس پر دوڑ پڑتا، اور کاٹنے کے لیے جھپٹتا، آپ ﷺ نے اسے بلایا، وہ آیا، اور اس نے آپ ﷺ کے سامنے سجدہ کیا، آپ ﷺ نے اس کی ناک میں نکیل ڈال دی اور فرمایا: نافرمان جن وانس کے سوا جتنی چیزیں آسمان وزمین میں ہیں، سب جانتی ہیں کہ میں رسولِ خدا ہوں۔

۲۴- بیہقی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: میں دریائے شور میں تھا، جہاز ٹوٹ گیا، تو میں ایک تختے پر بیٹھ گیا، بہتے بہتے ایک نیستان (جنگل) میں پہنچا، جہاں مجھے ایک شیر ملا، جب وہ میری طرف آیا، تو میں نے کہا کہ: میں جناب رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں، پس وہ شیر میری طرف بڑھا اور اپنا کندھا میرے بدن پر مارا، اور میرے ساتھ چل پڑا، یہاں تک کہ مجھے راہ پر کھڑا کر دیا، پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر کچھ باریک باریک آواز نکالتا رہا، اور میرے ہاتھ سے اپنی دم کو مس کی، تو میں سمجھا کہ مجھے رخصت کر رہا ہے۔

فائدہ: پہلا قصہ ماکول جانور کا تھا، اور یہ غیر ماکول کا ہے، وہ حیات میں تھا اور یہ بعد وفات کا قصہ ہے، جس میں وجہِ اعجاز قوی تر ہے، کیوں کہ وفات کے بعد دوسرے قُویٰ کی فاعلیت کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔

۲۵- بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ گھر میں پایا، حکم دیا کہ اصحابِ صفہ کو بلا لو، چونکہ ابو ہریرہ بھوکے تھے، انہوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر مجھے دیتے تو میں سیر ہو کر پیتا، فرماتے ہیں کہ: بہر حال میں نے ان سب کو بلا لیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں دودھ پلاؤ، میں نے دودھ پلانا شروع کیا، یہاں تک کہ سبھوں نے سیر ہو کر پیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ: تم پیو! میں نے پیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اور پیو! میں پیتا جاتا تھا، یہاں تک کہ میں نے قسم کھا کر کہا کہ اب پیٹ میں جگہ نہیں! پھر باقی آپ ﷺ نے پیا۔

فائدہ: یہ اجزائے حیوان میں معجزہ کا ظہور ہوا۔

(نشر الطیب، الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعالمین، مفتی عنایت احمد کاکوری رحمہ اللہ مصنف علم الصیغہ، مطبوعہ فرید بکڈپو)

☆......☆......☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصوصیات

آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے کی خصوصیات:

ایک قسم ان امور کی ہے، جو دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں پائے گئے، مثلاً:

۱- سب سے اول آپ ﷺ کے نور پاک کا پیدا ہونا۔

۲- سب سے اول آپ ﷺ کو نبوت عطا ہونا۔

۳- یومِ میثاق میں سب سے اول "ألست بربكم؟" کے جواب میں آپ ﷺ کا "بلٰی" فرمانا۔

۴- آپ ﷺ کا نام مبارک عرش پر لکھا جانا۔

۵- خلقِ عالم سے آپ ﷺ کا مقصود ہونا۔

۶- پہلی کتب میں آپ ﷺ کی بشارت وفضیلت کا ہونا۔

۷- حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ ﷺ کی برکات حاصل ہونا، جیسا کہ حاکم، بزار، طبرانی اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں تصریح ہے، اور نشر الطیب کی فصلِ اول اور دوم میں بھی، اس سلسلے کی کچھ روایات مذکور ہیں۔

دنیا میں تشریف لانے کے بعد کی خصوصیات:

دوسری قسم کے امور وہ ہیں، جو دنیا میں تشریف آوری کے بعد اور نبوت سے پہلے ظاہر ہوئے، مثلاً:

۱- مہرِ نبوت کا شانہ پر ہونا۔

۲- کسریٰ کے محل میں زلزلہ آنا۔

۳- بحیرۂ طبریہ کا دفعۃً خشک ہوجانا۔

۴- فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا۔

۵- آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کو ایسا نور نظر آنا کہ، جس سے انہوں نے شام کے محلات کو دیکھا، وغیر ذٰلک!
(مواہبِ لدنیہ، فتح الباری، نشر الطیب)

نبوت کے بعد ملنے والی خصوصیات:

تیسری قسم ان امور کی ہے، جو نبوت کے بعد ظاہر ہوئے، اور وہ ذاتِ مبارک کے ساتھ مختص ہیں، مثلاً:

۱- معراج اور اس میں عجائبِ ملکوت، جنت و نار پر مطلع ہونا۔

۲- حق تعالیٰ کو دیکھنا۔

۳- کہانت کا منقطع ہونا۔

۴- اذان واقامت میں آپ کا نام مبارک ہونا۔

۵- ایسی کتاب عطا ہونا جو ہر طرح معجزہ ہے، یعنی لفظاً بھی، اور معناً بھی، تغیر سے محفوظ رہنے میں بھی اور زبانی یاد ہونے میں بھی۔

۶- آپ ﷺ پر صدقہ کا حرام ہونا۔

۷- نوم سے آپ ﷺ پر وضو کا واجب نہ ہونا۔

۸- ازواجِ مطہرات کا امت پر ابداً حرام ہونا۔

۹- آپ ﷺ کی صاحبزادی سے بھی اولاد کا نسب ثابت ہونا۔

۱۰- آگے پیچھے سے برابر دیکھنا۔

۱۱- دور دور تک آپ ﷺ کا رُعب پہنچنا۔

۱۲- آپ ﷺ کو جوامع الکلم عطا ہونا۔

۱۳- (آپ ﷺ کا) تمام خلائق کی طرف مبعوث ہونا۔

۱۴- آپ ﷺ پر نبوت کا ختم ہونا۔

۱۵- آپ ﷺ کے متبعین کا سب انبیاء کے متبعین سے زیادہ ہونا۔

۱۶۔ آپ ﷺ کا سب مخلوق سے افضل ہونا۔

آپ ﷺ کی امت کی خصوصیات:

چوتھی قسم ان امور کی ہے جو آپ ﷺ کی برکت سے بطورِ خاص آپ ﷺ کی امت کو عطا ہوئے، اور دوسری امتیں اس سے محروم ہیں، مثلاً:

۱۔ غنائم کا حلال ہونا۔

۲۔ تمام زمین پر نماز کا جائز ہونا۔

۳۔ تیمّم کا مشروع ہونا۔

۴۔ اذان واقامت کا مقرر ہونا۔

۵۔ نماز میں ان کی صفوف کا بطرزِ صفوفِ ملائکہ ہونا۔

۶، ۷۔ جمعہ کی ایک خاص عبادت وساعت، اِجابت کے لیے مقرر ہونا۔

۸۔ روزہ کے لیے سحری کی اجازت۔

۹۔ رمضان میں شبِ قدر۔

۱۰۔ ایک نیکی کریں تو ادنیٰ درجہ دس گنا اور اس سے بھی زیادہ ثواب کا ملنا۔

۱۱۔ وسوسہ، خطا اور نسیان کا گناہ نہ ہونا (شاید پہلی امتوں میں ان کے اسباب کا انسداد بھی واجب ہوگا، اور اسی اعتبار سے یہ اِس امت کے ساتھ خاص ہوا)۔

۱۲۔ احکامِ شاقہ کا مرتفع ہوجانا۔

۱۳، ۱۴۔ تصویر ومسکرات کا ناجائز ہونا (کہ یہ بے شمار مفاسد کا سدِ باب ہے اور مفاسد سے بچانا رحمت ہے، جیسا کہ بعض جگہ تسہیل کا حکم رحمت ہے)۔

۱۵۔ اجماعِ امت کا حجت ہونا اور اس میں ضلالت کا احتمال نہ ہونا۔

۱۶۔ فروعی اختلاف کا رحمت ہونا۔

۱۷۔ امِمِ سابقہ کے سے عذاب نہ آنا۔

۱۸- طاعون کی موت کا شہادت ہونا۔

۱۹- علماء سے دین کا وہ کام لیا جانا، جو انبیاء کیا کرتے تھے۔

۲۰- قربِ قیامت تک جماعتِ اہلِ حق کا مؤید من اللہ ہوکر پایا جانا، وغیر ذلک۔

دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کی خصوصیات:

پانچویں قسم ان امور کی ہے، جو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد برزخ یا قیامت میں ظاہر ہوئے یا ہوں گے۔ مثلاً:

۱- سب سے پہلے قبر شریف سے آپ ﷺ نکلیں گے۔

۲- سب شفاعت کرنے والوں سے پہلے آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔

۳- سب سے پہلے آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

۴- حضور ﷺ کے تابعدار قیامت کے روز سب پیغمبروں کے متبعین سے زائد ہوں گے۔ (رواہ مسلم)

۵- شفاعتِ کبریٰ جو کہ تمام عالم کے لیے فصل حساب کے لیے ہوگی، حضور ﷺ ہی فرمائیں گے۔ (متفق علیہ)

۶- لواء الحمد، جس کے نیچے تمام انبیاء ہوں گے، آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ (ترمذی)

۷- مقام محمود آپ ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔

۸- سب رسولوں سے پہلے آپ ﷺ کی امت پل صراط سے گزرے گی۔ (متفق علیہ)

۹- آپ ﷺ ہی سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، وغیر ذلک۔ (مسلم)

حضور شفیع المذنبین ﷺ کے بعض فضائل

حضور ﷺ کے کمالاتِ جسمانی وروحانی اگر چہ حدِ بیان سے باہر ہیں، مگر بطورِ نمونہ چند پیشِ خدمت ہیں:

حضور ﷺ، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا میں جلوہ گر ہونے تک، نسلِ نجیب واصلابِ پاک میں منتقل ہوتے آئے ہیں، آپ سب سے بہتر قوم کے چشم وچراغ تھے، اور آپ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے مشہور تھی، اور حضور ﷺ کی تشریف آوری کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مصداق بھی حضور ﷺ ہی ہیں، اور سب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے جو وعدہ پختہ لیا گیا تھا کہ، اگر تمہارے زمانے میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوں، تو سب پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو اور ان پر ایمان لاؤ، سے معلوم ہوتا ہے کہ، سب پیغمبر بھی حضور ﷺ کی امت میں ہیں، اور جب حضور شافع المذنبین ﷺ نے ماں مبارک کے پیٹ سے اس جہانِ فانی کو مشرف فرمایا، یعنی پیدا ہوئے، تو ان کی مبارک ماں کو ایسا نور نظر آیا جس سے شام کے محل بھی روشن ہو گئے۔

چند اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آپس میں باتیں کر رہے تھے، ان میں سے کسی نے کہا کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے؛ بعض نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ساتھ کلام فرمایا، بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں، اتنے میں حضور پرنور علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا کہ: میں تمہاری بات کو سن رہا تھا، اور تمہارے تعجب کرنے کو معلوم کر رہا تھا، بے شک ویسا ہی ہے؛ جیسا تم لوگوں نے کہا، پس یہ بھی جان لو کہ: میں حبیب اللہ ہوں ......اور یہ بات فخر یہ نہیں کہتا......اور قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا، اور آدم اور دوسرے انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور یہ بات فخر یہ نہیں کہتا، اور اوّل شفاعت میں ہی کروں گا اور میری شفاعت ہی منظور ہوگی، اور یہ بات فخر یہ نہیں کہتا، اور بہشت میں پہلے میں ہی داخل ہوں گا، اور میرے ساتھ غریب مؤمن ہوں گے، اور یہ بات فخر یہ نہیں کہتا، اور میں پہلے پچھلے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تعظیم والا ہوں، اور یہ بات فخر یہ نہیں کہتا؛ اور سب رسولوں کا پیشوا میں ہی ہوں گا، اور سب نبیوں کی نبوت میرے اوپر ختم ہوئی ہے، اور یہ بات بطورِ فخر کے نہیں کی؛ اور قبر سے پہلے میں ہی نکلوں گا، اور جب

پیغمبروں کو بات کرنے کی قوت نہ ہوگی تو ان کی طرف سے گفتار کرنے والا میں ہی ہوں گا، اور جب پیغمبر حساب کی جگہ بند کئے جائیں گے، تو ان کی شفاعت میں ہی کروں گا؛ اور جب پیغمبروں کو ناامیدی کی نوبت آنے والی ہوگی، تو ان کو خوشخبری دینے والا میں ہی ہوں گا۔

اور ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ: قبر سے پہلے میں ہی نکلوں گا، اور مجھے بہشتی پوشاک پہنائی جائے گی، اور عرش کے داہنی طرف سے ایسے مقام میں ہوں گا کہ، کسی کو اس مقام میں رہنے کی قوت نہ ہوگی۔

دارمی کی ایک روایت میں ہے کہ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد لباس پہنایا جائے گا، اور اس حدیث سے حضور ﷺ کا لباس پہننا سب سے اول معلوم ہوتا ہے، تو رفعِ تعارض اس طرح ہے کہ ایک لباس انشقاقِ ارض کے بعد اور قبر سے نکلنے سے پہلے پہنایا جائے گا، اس میں حضور ﷺ مقدم ہیں، اور ایک لباس بعد میں میدان قیامت میں ہوگا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مقدم ہوں گے۔

(نشر الطیب: ص/ ۲۱۵)

حضور پرنور ﷺ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور مالِ غنیمت حضور ﷺ کے لیے حلال کیا گیا، اور سب زمین کو حضور ﷺ کے لیے مسجد اور پاک کرنے والا بنایا گیا ہے، حضور ﷺ کے تابعدار سب نبیوں کے تابعداروں سے زیادہ ہوں گے۔

حضور ﷺ وفاتِ ظاہری کے بعد بھی زندہ ہیں:

حضور ﷺ جیسا کہ دنیا میں زندہ تھے، اس سے زیادہ بہتر صورت میں اپنے دنیاوی پاک جسم کے ساتھ قبر مبارک میں بھی زندہ ہیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اسی طرح زندہ ہیں، کھاتے پیتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور طواف کرتے ہیں، وغیر ذلک۔

خواب میں زیارت کرنا:

حضور سید المرسلین ﷺ کی جو شخص خواب میں زیارت کرے، وہ خواب بلا شبہ سچا ہے، خواہ بچپن سے لے کر کہولت تک، جس صورت میں بھی آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہو، لیکن اگر کوئی ایسا امر دیکھے جو شانِ نبوی کے مناسب نہ ہو، تو وہ دیکھنے والے کی غلطی ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

البتہ کثرتِ درود شریف، اتباعِ سنت اور غلبۂ محبت پر اس کا اکثر ترتب ہو جاتا ہے۔ (نشر الطیب)
اگر زیارت کا شرف حاصل کیا، مگر طاعت سے رضا حاصل نہ کی، تو وہ نجات کے لیے کافی نہیں۔
(نشر الطیب: ص/ ۲۵۹)

شفاعت کی اقسام:

قاضی عیاض، علامہ نووی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شفاعت چھ قسم پر ہے:

۱- ایک یہ کہ تمام لوگ اضطراب میں ہوں گے، کسی کو طاقت نہ ہوگی کہ رب ذوالجلال والاکرام کے سامنے بات کر سکے، سب حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں جا کر عرض کریں گے کہ ہمارے لیے شفاعت فرمائیے! تاکہ اس جگہ سے (یعنی حساب کی جگہ سے) ہماری خلاصی ہو جائے، وہ جواب میں فرمائیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ کہ وہ اول نبی ہیں، وہ بھی یہی جواب فرمائیں گے کہ میں لائق نہیں ہوں، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سب ایک ہی جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، آخر حضور شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ﷺ کی خدمت میں جائیں گے، حضور ﷺ فرمائیں گے کہ یہ میرے لیے ہے، یعنی یہ شفاعت کا کام مجھے ہی کرنا تھا۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: پھر میں حضرت جلّ مجدہ وعزّ اسمہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت لوں گا، اور مجھے اجازت دی جائے گی، جب حضرت تعالیٰ تبارک اسمہٗ کی زیارت کروں گا، تو سجدہ میں گر جاؤں گا، ایسی تعریفیں الہام ہوں گی کہ مجھے اب یادداشت میں نہیں ہیں، جتنی دیر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا سجدہ میں رہوں گا، پھر فرمان ہوگا کہ: سر اٹھاؤ اور کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، اور جو سوال کرو گے دیا جائے گا، اور شفاعت منظور کی جائے گی، اس پر میں عرض کروں گا: "یارب اُمتي اُمتي!" فرمایا جائے گا کہ: جس کے دل میں جو کی مقدار میں ایمان ہو، اس کو دوزخ سے نکالو، ایسا ہی کروں گا، اسی طرح دوسری اور تیسری بار فرمان ہوگا کہ: جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو، اس کو نکالو، ایسا ہی کروں گا۔

۲- دوسری شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو حساب کے بعد عذاب کے مستحق ہو گئے تھے، چناں چہ ان کو میری شفاعت سے رہائی مل جائے گی۔

۳- تیسری شفاعت اس قوم کے لیے ہوگی، جو گناہوں کے باعث دوزخ میں داخل ہوگئی تھی۔

۴- چوتھی شفاعت بہشت میں بلاحساب داخل کرنے کے لیے ہوگی۔

۵- پانچویں شفاعت درجات بلند کرنے کے لیے ہوگی۔

۶- چھٹی شفاعت بعض کفار کے لیے عذاب کی کمی کے واسطے ہوگی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ساتویں قسم کی شفاعت بھی بیان فرمائی ہے کہ، اپنی امت کے لیے فرمائیں گے کہ سب امتوں سے پہلے بہشت میں داخل ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آٹھویں قسم بھی بیان فرمائی ہے، جو اس قوم کے لیے ہوگی، جن کی نیکی اور بدی برابر ہوگی، اور وہ شفاعت ان کے بہشت میں داخل ہونے کے لیے کی جائے گی۔ (رحمۃ للعالمین ﷺ، نشر الطیب)

یہ بھی حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ: حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت فرمائیں گے؛ پیغمبر، علماء اور شہید۔ (اور یہ بھی ثابت ہے کہ چھوٹے بچے ماں باپ کے لیے شفاعت کریں گے)۔

(مشکوٰۃ: ص/ ۴۹۵، باب الحوض والشفاعۃ، قدیمی)

حضور ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ ہیں:

برزخ کے متعلق آپ ﷺ کے بعض فضائل یہ ہیں:

۱- نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں۔ (کذا فی المواہب)

۲- آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں، اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، یعنی کھاتے پیتے ہیں، اور یہ زندگی اور مرزوقیت، شہداء کی زندگی اور رزق دیئے جانے سے اکمل واقویٰ ہے۔ (ابن ماجہ)

۳- تمام انبیاء علیہم السلام قبر مبارک میں نماز پڑھتے ہیں۔

فائدہ: یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذُّذی ہے، اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔

۴- آپ ﷺ نزدیک سے سلام خود سنتے ہیں، اور دور سے بذریعۂ ملائکہ سنتے اور جواب دیتے ہیں، یہ تو دائماً ثابت ہے، جبکہ احیاناً بعض خواصِ امت سے یقظہ (بیداری) میں آپ ﷺ کا کلام اور ہدایت فرمانا آثار واخبار میں مذکور ہے، اور حالتِ رؤیا وکشف میں تو ایسے واقعات بے شمار ہیں، اور بیک وقت ان مشاغل کے اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے، کیوں کہ برزخ میں روح کو، پھر خصوصاً روح مبارک کو بہت

وسعت ہوتی ہے، مگر اس وسعت سے امورِ غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت دائماً یا ثابت احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہیں ہوگا۔ خوب سمجھ لیں!

۵- اور ہر روز ستر ہزار فرشتے قبر مبارک پر آتے ہیں، اور قبر مبارک کو بازو مارتے ہوئے احاطہ کر لیتے ہیں، اور درود پڑھتے ہیں، اور پھر شام کو اوپر چڑھ جاتے ہیں، اور دوسرے فرشتے اسی طرح آسمان سے اترتے ہیں، اور ایسا ہی کرتے رہیں گے، یہاں تک جب قیامت کے دن قبر کی زمین شق ہوگی، تو آپ ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے اور وہ آپ ﷺ کو لے چلیں گے۔ (نشر الطیب)

دعا میں آپ ﷺ کے ساتھ توسل کرنا:

گو جس طرح درود شریف قربتِ مقصودہ ہے، یہ توسل قربتِ مقصودہ نہیں، مگر صرف ایک خاصیت میں درود شریف کا ہم اثر ہے کہ دونوں دعا کے اقرب الی الاجابۃ ہونے کا سبب ہیں، اور گو بعض نے اس مسئلے میں اختلاف بھی کیا ہے، مگر جمہور کا مسلک اس کے جواز کا ہے، بشرطیکہ حدودِ شرعیہ کو محفوظ رکھے، اس لیے مذہبِ منصور یہی ہوا، سننِ ابنِ ماجہ میں باب صلوۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ، ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے! آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس کو ملتوی رکھوں، اور یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دعا کروں، اس نے عرض کیا کہ: دعا ہی کر دیجیے! آپ ﷺ نے حکم دیا کہ نہایت اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور یوں دعا کرو:

''اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، بوسیلۂ محمد (ﷺ) نبیٔ رحمت کے، اے محمد (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں، تا کہ وہ پوری ہو، اے اللہ آپ (ﷺ) کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجیے''۔ (سنن ابن ماجہ: ص/ ۹۹، باب صلوۃ الحاجۃ، قدیمی)

انجاح الحاجۃ میں ہے کہ: اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے، اور ترمذی نے حسن صحیح کہا، اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، اور اس میں اتنی زیادتی کی ہے کہ: ''وہ کھڑا ہو گیا اور بینا ہو گیا''۔

طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اس روایت کو ایسی سند سے نقل کیا ہے، جس میں ابنِ صلاح بھی ہے، اور ابن حبان اور حاکم نے اس کی توثیق کی ہے، اس میں ایک گونہ ضعف ہے، مگر ایسے ابواب میں مضر نہیں۔

(نشر الطیب)

فائدہ: اس سے صراحۃً توسل ثابت ہے، اور چونکہ آپ ﷺ کا اس کے لیے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: اے اللہ! فلاں بندہ آپ کا مورد ِ رحمت ہے، اور موردِ رحمت سے محبت و اعتقاد رکھنا بھی موجبِ جلبِ رحمت ہے، اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما۔ اور توسل بالاعمال میں بھی تھوڑے سے تغیر سے یہی تقریر ہے کہ، یہ اعمال آپ کے نزدیک موجبِ رحمت ہیں، اور ان کا فاعل بھی مرحوم ہے، اور ہم نے یہ اعمال کئے تھے، پس ہم پر رحمت فرما۔ اور اس میں جو ''یا محمد!'' کا لفظ آیا ہے، اس سے توسل بالقول اور فی الحیات ثابت ہوتا ہے، توسل بالقول بعد وفات بھی، طبرانی کی مذکورہ بالا عثمان بن حنیف کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ (ثبوت بالروایۃ کے علاوہ درایۃً بھی یہ ثابت ہے، کیوں کہ توسل کا مذکورہ معنی حیات و وفات دونوں حالت میں مشترک ہے۔ (نشر الطیب) اور توسل بالفعل بعد الوفات اس حدیث سے ثابت ہے، جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے قحط کی شکایت کی، تو آپؓ نے فرمایا کہ: نبی ﷺ کی قبر کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی طرف (حجرۂ مبارک کی محاذات میں چھت میں) ایک منفذ (سوراخ) کر دو، یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا تو بہت زور کی بارش ہوئی۔ الحدیث۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔ (کذا فی خیر المواعظ باب الکرامات)

توبزبانِ حال اس توسل بالفعل کے معنی یہ تھے کہ: اے اللہ! یہ آپ کے نبی ﷺ کی قبر ہے، جس کو ہم جسدِ نبوی سے تلبّس کی وجہ سے متبرک سمجھتے ہیں، اور نبی سے ملابس چیز کو متبرک سمجھنا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ نبی کی عظمت کا اعتقاد رکھنا پسندیدہ عمل اور موجبِ رحمت ہے، پس ہم پر رحمت فرمایئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ قحط کے وقت حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بارش کی دعا کیا کرتے اور فرماتے کہ: اے اللہ! ہم (پہلے) آپ کے دربار میں اپنے نبی ﷺ کا توسل کیا کرتے تھے، آپ ہم کو بارش دیتے تھے، اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر ﷺ کے چچا کا توسل کرتے ہیں، سو ہم کو بارش دے، چناں چہ بارش ہوتی تھی۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ توسل کرنا بھی جائز نکلا، جب کہ اس کو نبی سے قرابتِ حقیقی حسیہ کا یا قرابتِ معنوی کا کوئی تعلق ہو، تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔

اور آں حضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ کے حضرت عباس رضی اللہ کی ذات سے توسل کرنے کے عمل سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ذات سے توسل جائز نہ تھا، اسی لیے آپ ﷺ کے چچا صاحب سے توسل کیا گیا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توسل بالنبی کی ایک اور صورت بھی ظاہر کر دی جس پر کسی صحابی نے انکار نہ کیا، تو گویا اس میں اجماع کے معنی آ گئے۔

تنبیہ: توسل بالمقربین وبالاعمال الصالحہ کا حاصل یہی ہے کہ، مقربینِ بارگاہِ صمدیت اور اعمالِ صالحہ چوں کہ مور دِ رحمت وموجبِ رحمت ہیں؛ اور موجبِ رحمت سے محبت واعتقاد موجبِ جلبِ رحمتِ الٰہی ہے، تو اے اللہ! ہم بھی ان سے محبت واعتقاد رکھتے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما اور حاجت روائی ومشکل کشائی فرما!

اسی طرح چوں کہ اعمالِ صالحہ کرنیوالا مرحوم ہوتا ہے، ہم نے یہ اعمالِ صالحہ کئے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما اور ہماری حاجت برآری ومشکل کشائی فرما! تو مقربینِ جلّ جلالہ، وعزّ برہانہ اور اعمالِ صالحہ دنیا وآخرت کے مقاصد کے لیے وسیلۂ کاملہ وعروۂ وثقیٰ قرار پائے، جب کہ مشکل کشائی، حاجت روائی، مضطر کے اضطرار اور پریشانی کو دور کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کارساز **وحدہٗ لا شریک لہٗ** ہے، پس اگر کوئی شخص مقربینِ جل وعلا کو کارساز، حاجت روا مشکل کشا سمجھے گا تو بعض صورتوں میں شرک ہو جائے گا، اور بعض صورتوں میں گناہ ہوگا، اور غیر اَولیٰ ہوں گی، خوب سمجھ لیں۔

من یکن برسول اللہ نصرتہ
فالفتح من جندہ والنصر والظفر

''اور جس شخص کی نصرت رسول اللہ ﷺ کے توسل سے ہو، تو فتح، نصر اور ظفر اس کے لشکر میں سے ہے''۔

فاعطف الٰهي علینا قلب سیّدنا
خیر الأنام فمنه العطف منتظر

''سو اے اللہ! ہم پر ہمارے سردار خیر الامم کے قلب کو مہربان کر دیجئے، کیوں کہ آپ کی طرف سے عطوفت کا انتظار ہے''۔

یَا رَبِّ صَلِّ وسلِّم دائمًا أبدًا
علٰی حَبِیبکَ مَن زَانتْ بهِ العصرُ

''اے پروردگار! ابد الآباد تک درود وسلام بھیجئے! اپنے حبیب پر، جن سے زمانوں کی زینت ہوگئی ہے''۔

فاغفر لناشدھا واغفر لسامعیا
سألتک الخیر یا ذا الجود والکرم

''سو مغفرت فرما دیجئے اس کے کہنے والے اور سننے والے کی، میں آپ سے خیر کا سوال کرتا ہوں، اے صاحبِ جود وکرم۔'' (معارفِ بہلوی: ص/۲۱۲ تا ۲۶۹، خیر الاذکار)

حضور اکرم ﷺ کی دعائیں

ضرررساں چیزوں سے بچنے کی دعا:

صبح وشام کی دعا: ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنا کہ: جو شخص صبح وشام تین تین بار یہ دعا پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھے گا:

" بسم اللّٰه الذي لا يضرّ مع اسمه شيءٌ في الأرض ولا في السماء ، وهو السميع العليم "۔ (رواہ سنن اربعہ)

"میں اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں یا کھاتا ہوں) جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین وآسمان میں نقصان نہیں دے سکتی، وہی سننے والا اور وہی جاننے والا ہے۔"

صحیح مسلم وسننِ اربعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے آں حضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! آج رات بچھو کے کاٹنے سے بہت تکلیف ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: یادرکھو! اگر تم یہ دعا پڑھ لیتے تو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوتی:

" أعوذ بكلمات اللّٰه التامات من شرّ ما خلق "

"میں خدا تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کے ذریعہ اس کی مخلوق کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

حضرت معقل بن یسار کی روایت میں یہ دعا تین بار پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اسی طرح جو شخص کسی منزل پر اترتے وقت یہ دعا پڑھے، تو وہاں سے کوچ کرنے کے وقت تک اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

وہ دعا جس کے پڑھنے سے ستر ہزار فرشتے دعا کریں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "جو شخص صبح اس تعوّذ کو سورۂ حشر کی ان تین آیتوں (جو اخیر میں ہیں: ﴿هو اللّٰه الذي لا إله إلا هو﴾ تا آخر سورة) کے ساتھ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے، جو شام تک اس کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں، اور اگر کوئی شخص شام کو یہ تعوّذ پڑھتا ہے، تو صبح تک اس کے لیے وہ فرشتے مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں، اور اگر اسی اثنا میں مرجاتا ہے تو شہید مرتا ہے۔" (رواہ الترمذی والدارمی وابن السنی)

وہ تعوّذ یہ ہے: " أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم " تین بار پڑھ کر پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضورا کرم ﷺ نے ایک روز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بلاکر یہ فرمایا: خدا کا پیغمبر یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خدا کی طرف سے اترے ہوئے حکمت بھرے کلمات سکھائے، تم ان کو ذوق وشوق سے پڑھا کرو، اور دن رات ان کے ساتھ دعا مانگا کرو، وہ حکمت بھرے کلمات یہ ہیں:

" اللّٰهم إني أسئلک صحّة في إيمان ، وإيمانًا في حسن خُلق ، ونجاةً يتبعها فلاحٌ ، و رحمةً منک ، وعافيةً و مغفرةً منک ورضواناً ". (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

"اے اللہ! میں تجھ سے صحت، ایمان کے ساتھ، اور ایمان حسنِ خلق کے ساتھ، اور ایسی کامیابی جس کے پیچھے فلاح ہو، اور تیری رحمت، عافیت، مغفرت اور تیری خوشنودی چاہتا ہوں۔"

سوتے وقت کی دعا:

انسان جب سونے کے لیے اپنے بستر پر آئے، تو چاہیے کہ پاک ہو، یعنی وضو سے ہو؛ اور یہ دعا پڑھے:

" اللّٰهم باسمک ربي وضعت جنبي فاغفرلي "

"الٰہی! تیرے نام سے اپنا پہلو رکھا ہے، اے اللہ! تو میرے گناہ بخش دے۔"

یا یہ دعا پڑھے:

" اللّٰهم قني عذابک يوم تبعث عبادک "

"اے اللہ! جس روز تو اپنے بندوں کو (قبر سے) اٹھائے، مجھے اپنے عذاب سے بچالے۔"

یا یہ دعا پڑھے:

" اللّٰهم باسمک أموت وأحيى " . "اے اللہ! تیرے نام پر مرتا اور جیتا ہوں۔"

کھانا کھاتے وقت اور بعد کی دعا:

جب کھانا سامنے آئے تو "بسم اللہ" کہہ کر سیدھے ہاتھ سے اپنے پاس سے کھائے۔ (کذا فی البخاری)

اور دوسری حدیث مستدرک حاکم میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب تم کھانا شروع کروتو کہو:''بسم اللّٰه و علی برکة اللّٰه ''یعنی اللہ کے نام سے اور اس کی برکت سے ہم کھاتے ہیں، اور جب تم سیر ہو جاؤ اور پیٹ بھر جائے تو کہو:

'' الحمد للّٰه الّذي أشبعنا وأروانا وأنعم علينا و أفضل ''

''اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں سیر اور سیراب کیا، اور ہم پر انعام کیا، اور بہت دیا''

بے شک یہ کہنا اس نعمت کا شکریہ اور بدلہ ہے۔ (کذا فی حصن حصین)

اور جب کھانے سے پہلے ''بسم اللہ'' بھول جائے تو کہہ لے:'' بِسم اللّٰه أولَه و آخرَهُ''(یہ گزر چکی ہے)۔

اگر دودھ پیئے تو یہ دعا پڑھے:

'' اللّٰهم بارک لنا فيه و زدنا منه '' (رواہ ابوداؤد والترمذی)

''اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے زیادہ عنایت کر''

اگر عورت سے جماع کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

'' بِسم اللّٰه ، اللّٰهم جنّبنا وَ جنّب الشيطان مما رزقتنا '' (رواہ الصحاح عن ابن عباس)

''میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز سے الگ رکھ (یعنی اولاد سے) جو تو ہمیں عطا کرے۔''

بچوں کا تعویذ:

اگر گلے میں کوئی ایسی چیز ڈالنا چاہے کہ، وہ بچہ نظرِ بد جن وانس سے محفوظ رہے؛ تو وہ یہ ہے:

'' أعوذ بكلمات اللّٰه التامة من شر كل شيطان و هامة ، و من شر كل عين لامة ''

(کذا فی البخاری وسنن اربعہ عن ابن مسعود)

''میں اللہ کے کلماتِ تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، ہر شیطان اور زہریلے کاٹنے والے اور لگ جانے والی نظر کی برائی سے۔''

آشوبِ چشم:

جس شخص کو آشوبِ چشم کی شکایت ہو، تو کہے: " اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِي بِبَصَرِي وَاجْعَلْه الْوَارِث مِنِّي وأرِنِي فِي الْعَدُوِّ ثَأرِيْ وَانْصُرْنِي علٰی مَنْ ظَلَمَنِي" (رواہ الحاکم وغیرہ)

"اے اللہ! مجھے میری بینائی سے فائدہ دے، اور اس کو میرا وارث بنا، اور دشمن میں میرا بدلہ دکھا، اور جو مجھ پر ظلم کرے، اس پر میری مدد فرما۔"

دفعِ بخار کے لیے:

جس کو بخار چڑھے وہ کہے: " بسم اللّٰه الكبيرِ أعوذُ باللّٰه الْعظيمِ مِن شرِّ كُلِّ عِرقٍ نَّعَّارٍ وَ مِن شَرِّ حَرِّ النّارِ "

"اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے نام سے، میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، جوش مارنے والی رگ کے شر اور آگ کی گرمی کی برائی سے۔" (رواہ الحاکم وابن ابی شیبہ، عن ابن عباس)

شفا کے لیے:

جب بیمار پرسی کے لیے جائے، تو اپنا سیدھا ہاتھ بیمار پر پھیر کر کہے: " اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَأسَ، رَبَّ النَاسِ وَاشْفِ اَنتَ الشَّافِيْ ، لا شِفَاءَ إلا شِفَائُکَ ، شِفاءً لا يُغادِرُ سُقمًا "۔ (رواہ البخاری ومسلم)

"اے لوگوں کے پالنے والے! تکلیف کو دور فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ کوئی شکایت باقی نہ رہے۔"

نیز سورۂ فاتحہ سات بار، سورۂ اخلاص سات بار، معوذتین تین تین بار اور درود شریف اول آخر تین، تین بار پڑھ کر، ہر چیز اور ہر بیماری کے لیے پانی پر یا تیل پر دم کر دے، بیمار کو پانی پلاتا رہے، اور تیل کی مالش کرتا رہے، بیماری سے شفا ہوگی؛ ان شاء اللہ تعالیٰ بفضلہ۔ (معارفِ بہلوی: ص/ ۲۷۸ تا ۳۱۲)

شجرۂ طیبہ

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۱	حضرت آدم علیہ السلام	۹۳۰	نوعِ بشر کے والد بزرگوار ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر خلافت کے لیے پیدا کیا ہے، جب ان کے گھر میں شیث علیہ السلام پیدا ہوئے، تو ان کی عمر ۱۳۰ر سال تھی۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)
۲	حضرت شیث علیہ السلام	۹۱۲	
۳	آنوش	۹۰۵	
۴	قینان	۹۱۰	
۵	ملہل ایل	۸۹۵	
۶	یارو	۹۶۲	
۷	اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام	۳۶۵	
۸	متوشائخ	۹۶۹	
۹	لامک	۷۷۷	
۱۰	حضرت نوح علیہ السلام	۹۵۰	جب طوفانِ نوح آیا تو حضرت نوح (علیہ السلام) کی عمر چھ سو سال تھی، اسی سال کے دوسرے مہینے کی ۱۷ر تاریخ کو طوفان شروع ہوا، ۱۵۰ر دن کے بعد پانی زمین سے کم ہونا شروع ہوا، اور ۶۰۱ سنہ عمرِ نوحی سے دوسرے مہینے کی ۲۷ر تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے زمین پر قدم رکھا، اور بعد طوفان ۳۵۰ر سال زندہ رہے، کشتیٔ نوح کا طول ۳۰۰ر ہاتھ، عرض ۵۰ر ہاتھ اور بلندی ۳۰ر ہاتھ تھی، اس کے تین طبقے تھے، اور ان کے تین فرزندوں کی نسل تمام دنیا میں ہے: ﴿وَجعلنا ذریتهُ همُ الباقینَ﴾ سام، حام، یافث، اور چوتھے بیٹے یام کی نسل نہیں چلی، بلکہ عملِ غیر صالح کی وجہ سے طوفان میں غرق ہوا۔
۱۱	سام	۶۰۲	**سام کی اولاد☆** عیلام اسور ارفک لود آرام
۱۲	ارفکشاد	۴۳۸	سلح عوحول جتر مس

۱۳	عابر	۴۶۰	عیر
۱۴	فالج	۲۳۹	فلج یقطان
۱۵	رعو	۲۳۹	المودواد سلف حصرمادت اوج بدورام اوزال وقلہ
۱۶	سروج	۲۳۲	عوبل ابی مابل شبا اوفر خویلہ یوآب
۱۷	ناحور	۱۵۹	**حام کی اولاد**
۱۸	تارہ/آزر	۲۰۵	کوش مصر فوط کنعان کفتوری کسلوحی فتروسی لووی عنامی بہابی لفتوحی فلستی سباہ حویلہ سبتہ زغمہ سبتیکہ نمرود سبا مرماواں دوداں حباقی صماری ارداری سینی عرقی صمد حنث یلوسی اموری حسبر حاشی حوسی **یافث کی اولاد** جمر یاجوج ماوی یونان توبل مسک تیراس سکنار ریفت تحرمہ ایسہ ترسیس رکتی دودانی
۱۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام =	۱۷۵	کنیت ابومحمد اور ابوالانبیاء ہے، لقب عمود، عالم اور آدمِ ثالث ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۷۵/سال کے تھے جب خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنی جائے پیدائش اور باپ کے وطن سے نکل کر کنعان بن حام کے علاقہ میں اپنی زوجہ سری المعروف سارہ اور لوط علیہ السلام برادرزادہ کے ساتھ پہنچے، پھر مصر گئے، فرعون (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا، جیسے شام کے بادشاہ کا لقب قیصر اور ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔) نے سیدہ سری کو حسین سمجھ کر اپنے لیے لے لیا،

	=		اور خدا تعالیٰ کا قہر اس پر ظاہر ہوا، چناں چہ سیدہ سری کو واپس کر دیا، اور ان کی کرامت کو دیکھ کر سیدہ ہاجرہ کو ساتھ کر دیا، اول ان کا نام آجرہ تھا، یعنی اس مصیبت کا اجر ہے، جب انہوں نے مکہ ہجرت کی کہ ان کی اولاد بیت اللہ الحرام کی آبادی کرے اور توحید کی منادی کرے، تب ان کا نام ہاجرہ ہوا، یہ ہاجرہ حضرت کی عظمت دیکھ کر اپنی دختر تھیں، بادشاہ نے حضرت کی عظمت دیکھ کر اپنی دختر کو بطورِ خدمت کے ساتھ کر دیا، اور خود سیدہ سری نے سیدہ ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ بیابانِ مکہ میں چھوڑ آئے، جب پانی ختم ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام قریب المرگ ہو گئے، اس وقت خدائے تعالیٰ کا فرشتہ ظاہر ہوا، اس نے آپ کی نسل کی کثرت اور عظمت کی بشارت دی، اور پھر ان کے لیے کنواں زمزم بھی ظاہر ہوا، یہ سیدہ، شاہِ مصر کی دختر، محدثہ ملائک، زوجۂ ابراہیم علیہ السلام، والدۂ اسماعیل علیہ السلام، بانیہ مکہ شریف اور جدۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ رسال کی ہوئی، تو آپ کو حکم ہوا کہ ہر ایک بچے کا جب وہ آٹھ دن کا ہو، ختنہ کریں، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت تیرہ سال کے تھے اور ختنہ ہوا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جرار میں رہائش اختیار کی، ملک آبی نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر قبضہ کیا، پھر آگاہ ہو کر واپس کر دیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۰۰ رسال کے ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، ان کی شادی ربقہ بنت مینوایل بن نخورا برادر حقیقی حضرت ابراہیم سے ہوئی، یہ دونوں بھائی اسماعیل و اسحاق علیہما السلام اکثر ایک ہی جگہ رہ کر رنج و راحت میں شریک رہا کرتے تھے، چناں چہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ان کو دونوں بھائیوں نے دفن کیا، اگر چہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی سکونت شام میں تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سکونت عرب میں تھی۔ (سیرت النبی، علامہ شبلی: ۱/۹۴، سیرت رحمۃ للعالمین: ج۱)

۲۰	حضرت اسماعیل علیہ السلام	۱۳۷	حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پہلوٹے بیٹے ہیں، جو سمیع اللہ کے ہم معنی ہیں، ۱۳/سال کے تھے کہ ان کی ختنہ ہوئی، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کا ختنہ بھی کیا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ مکرمہ کی تعمیر کی، اس وقت ان کی شادی قبیلہ بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان قبطی ہے، اور پدری زبان عبرانی ہے، ان کی سسرال خالص عربی زبان کے مالک ہیں، ان ہی سے عربی زبان میں کمال پیدا کرلیا تھا، ان کی اولاد بارہ فرزند ہیں: نبیت، قیدار، اوبئیل، بسام سمعا، دومہ، مشا، حدر، تیمہ، وطور، نفیس، قدمہیہ سب اپنی بستیوں کے رئیس ہوئے اور ان کی بستیوں کے نام ان کے اسماء پر ہیں، یہ سب کچھ سیرتِ رحمۃ للعالمین میں مذکور ہے، ان کے فرزند دوم قیدار سے نورِ نبوت ظاہر ہوا، جیسے حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند دوم حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ سلسلہ ظاہر ہوا۔ (رحمۃ للعالمین) اور ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے، نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، کیوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پہلوٹے بچے تھے، اور شریعتِ سابقہ میں پہلوٹے بچے یا جانور کی قربانی کا حکم تھا، اور پہلوٹہ بچہ ہی افضل سمجھا جاتا تھا، اور جو اولاد نذر کردی جاتی تھی اس کو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا۔ (کذا فی التوراۃ: توراتینہ ا/صحاح ۱۰/آیت: ۸، ۹) اس لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ترکہ نہیں ملا، سب کا سب حضرت اسحاق علیہ السلام کو دیا گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہؓ کو صرف پانی کی ایک مشک دے کر رخصت کیا۔ (وغیر ذلک من الدلائل المذکورۃ فی سیرت النبی علامہ شبلی) **تنبیہ:** اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اگر صرف نو، دس پشتیں ہوں تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ امر تاریخی شہادتوں کے بالکل خلاف ہے، علامہ سہیلی ''روض الانف'' میں لکھتے ہی: ''و **یستحیل فی العادۃ ان یکون بینھما أربعۃ أو سبعۃ کما ذکر ابن اسحاق، أو عشرۃ أو عشرون فان المدۃ أطول من ذٰلک کلہ** '' (اور یہ عادۃً محال ہے کہ دونوں میں ۴ یا ۷/پشتوں کا فاصلہ ہو، جیسا کہ ابنِ اسحاق نے ذکر کیا، یا ۱۰، ۲۰ پشتیں ہوں، کیوں کہ زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے)۔ علامہ موصوف نے بہت سے تارخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک ۴۰/پشتوں کا فاصلہ ہے، اس غلطی نے بعض عیسائیوں کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ وہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ ابراہیم علیہ السلام سے ہیں، لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہ ہے، دوسری طرف بیسیوں یورپین اور یہودی مؤرخین ہیں، جو نہ صرف خاندانِ قریش کو بل کہ تمام شمالی عرب وحجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہیں (دیکھو: فارسٹر صاحب کا جغرافیہ تاریخ عرب) علامہ طبریؒ نے تاریخ طبری مطبوعہ یورپ صفحہ: ۱۱۱۵/میں یہی تحقیق فرمائی ہے اور سیرتِ رحمۃ للعالمین میں بھی یہی ہے۔

☆ سامی زبان کا وجود ایشیاء اور افریقہ میں پایا جاتا ہے، عربی زبان اور عبرانی زبان سامی زبانوں میں زیادہ شاندار اور خزائن علمی سے مالا مال ہیں، ان کو معلّم نخستین کہتے ہیں، یورپی مؤرخین نے اس کا نام ''سامویئگ'' رکھ دیا ہے۔

۲۱	قیدار یا قیدز		
۲۲	عزّ ام		
۲۳	عوص		لقب ثمر اور صفی
۲۴	مزی		لقب ہر مز
۲۵	سمی یا شمی		لقب المحشر
۲۶	زارح		لقب قمیر
۲۷	ناحث		
۲۸	مقصر یا مقصی		لقب حسین اور نزال
۲۹	ایہام یا ابہام		لقب دوس القق یا اجمل الخلق
۳۰	اقناد		لقب ایا ہمہ
۳۱	عیصر		لقب یندوان ذوالاندیہ، اسی کے عہد میں نبیت اور جادان فرزندان قادر و میں باہم جنگ ہوئی۔
۳۲	دیشان		لقب الزاعیہ
۳۳	عیصی		لقب عاقر
۳۴	ارعوی		لقب وعدع
۳۵	یلحن		لقب عنود
۳۶	یحزن یا نحزن		لقب تسور
۳۷	یثربی		لقب طمح اور یثر
۳۸	سنبر		لقب بشمین اور مطعم فی المحل، کیوں کہ اس کے محل میں ہر شخص کے لیے کھانا تیار رہتا تھا۔

۳۹	حمدان		لقب اسماعیل ذوالاعوج، اعوج اس کے گھوڑے کا نام تھا، اب اعوجیہ نسل اسپاں اس کی طرف منسوب ہے۔
۴۰	الدعا		لقب تیرن الطعان، یہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ میں نیزہ کا استعمال کیا۔
۴۱	عبید		لقب اسماعیل ذوالمطابخ، یہ نام اس لیے ہے کہ مسافروں کے لیے سارے ملک میں ضیافت خانے مقرر تھے۔
۴۲	عبقر		لقب ابراہیم جامع الشمل، اس لیے کہ اس کے عہد میں امن کامل اور راستے بے خطر جاری تھے۔
۴۳	عفی		لقب عافی اور عبقر ابوالجن، جنت عبقر اسی کی جانب منسوب ہے۔
۴۴	ماخی		لقب النمر یب خاطم النار
۴۵	ناحش		لقب الشحد ود
۴۶	جاحم		لقب علة
۴۷	طابخ		لقب عیقان
۴۸	یدلاف یا تدلاف		لقب رائمہ
۴۹	بلداس		لقب متحمل
۵۰	حزا		لقب ہوالعوام
۵۱	ناشد		لقب محلم ذوالعین
۵۲	عوام		لقب قموال اور بریح الناحب، یہ سلیمان کے زمانہ میں تھا۔
۵۳	ابی		لقب سعدرجب، رسم رجبیہ اسی نے نکالی ہے۔
۵۴	قموال		لقب یوزا اور عشر الغناء

۵۵	بوز		لقب ثعلبہ، قبیلہ ثعلبہ اسی کی جانب منسوب ہے۔
۵۶	عوص		لقب منجر اور نبیت
۵۷	سلامان		لقب ہمیدع اور شاحب
۵۸	ہمیسع		
۵۹	ادو		
۶۰	عدنان		**عدنان** معد — عک نزار — قنص (اولاد قنصی کہلاتی ہے) مضر — ایاد — ربیعہ — انمار
۶۱	معد		
۶۲	نزار(۱)		کنیت ابوایاد ہے۔

(۱) نزار نے وفات سے پہلے مضر کو سرخ اونٹ اور سرخ خیمے، ربیعہ کو گھوڑے اور سلاح، ایاد کو بھیڑ بکری اور انمار کو حمار تقسیم کر دیئے تھے، مضر اور ربیعہ کی اولاد وسطِ عرب میں ہے، انمار کی اولاد نجد اور اور اطرافِ حجاز میں، ایاد کی اولاد تغور د کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔ اونٹوں کی حدی مضر کی ایجاد ہے، چوں کہ اس کے باپ نے سرخ اونٹ اور سرخ خیمے اسے دیئے تھے، اس لیے اس کو تاریخ میں مضر الحمراء کہتے ہیں، مضر دین حنیف پر تھا، اور ایاد کی والدہ سودہ بنت عک ہے، اور ربیعہ وانمار کی والدہ شدالہ بنت وعلان جرہمی ہے۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمین)

فائدہ: بخت نصر نے پہلے حملہ عرب میں حضرت ارمیاہ (یرمیاہ) حضرت برخیا کے اشارے سے قبیلہ عدنان کو چھوڑ کر باقی قبائل پر حملہ کیا، اور ان کو وادی فرات میں لے جا کر آباد کیا، انہوں نے سلطنت انبار قائم کی، جب اس نے عرب پر دوسرا حملہ کیا تو بنوعدنان یمن چلے گئے، حضرت معد کو حضرت ارمیا اپنے ساتھ شام لے گئے، جب بخت نصر کی سلطنت چلی گئی، تو شام سے واپس آ کر بنو جرہم کے خاندان میں حضرت معد کی شادی ہوئی، فاضل عیسائیوں

کی تحقیق میں حضرت ارمیا کا زمانہ ۵۸۸ قبل مسیح ہے، اس حساب سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عدنان کے درمیان ۱۱۵۸ سال کا فاصلہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک ۲۱ پشتیں ہیں، پس ہر ایک پشت کی اوسط عمر ۵۵ رسال نکلی۔

۶۴	الیاس		کنیت ابوعمر واور لقب کبیر قوم تھا۔ **الیاس** مدرکہ طابخہ قیس عیلان عد سعد حصفہ مرو غطفان عکرمہ (ان کی اولاد بنوتمیم کہلاتی ہے) تمیم اشجع رائس منصور بعیص (ان کی اولاد بنوذبیان کہلاتی ہے) ذبیان (بنوفرازہ اس کے نسب سے ہیں) فراز (ان کی اولاد بنوہوازن کہلائی) ہوازن سلیم (ان کی اولاد بنوسلیم کہلائی) بکر ثقیف (ان کی اولاد بنوثقیف کہلائی) سعد (اس سے بنوسعد ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حلیمہ سعدیہ کا نسب اس سے ہے) ان کا نام عمر وتھا، کنیت ابو ہذیل، خطاب اصل نام پر غالب آیا۔
۶۵	مدرکہ		**مدرکہ** خزیمہ ہذیل (ہذیل کی اولاد بنو ہذلی کہلائی، حضرت عبداللہ بن مسعود صاحب النعلین والوسادہ ہذلی ہیں، ان کا نسب گیارہ واسطوں سے ہذیل تک پہنچ جاتا ہے)

۶۶	خزیمہ			**خزیمہ** کنانہ ہون اسد قارہ دیش عضل (اولاد دیشی کہلائی) (اولاد عضلی کہلائی) حملہ کاہل عمر دودان (اولاد حملی کہلائی) (اولاد کاہلی کہلائی) (اولاد عمروی کہلائی) (اولاد دودانی کہلائی) ام المؤمنین زینبؓ دودانی تھیں
۶۷	کنانہ			کنیت ابوالنضر ہے۔ **کنانہ** نضر مالک عبدمناۃ عمر احابیش عامر (اولاد بنونضر کہلائی) (اولاد بنوکنانہ کہلائی) (اولاد عمریون کہلائی) (اولاد الاحابیش کہلائی) (اولاد عامریون کہلائی) خزیمہ یا مصطلق (اولاد بنومصطلق کہلائی)
۶۸	نضر			نام قیس تھا، حسن وخوبی کی وجہ سے نضر کہتے ہیں، کنیت ابویخلد ہے۔
۶۹	مالک			کنیت ابوالحارث نضر **مالک** فہر یا قریش حرث (اولاد مطیبین کہلائی)

۷۰	فہرالملقب بہ قریش		فہر غالب محارب (اولاد بنومحارب کہلائی)

فہر کے وقت حسان حاکم یمن نے ایک فوج لے کر مکہ معظّمہ پر اس غرض سے حملہ کیا کہ اس کا اسباب یمن میں لے جائے، اور وہاں کعبہ تعمیر کرے، فہر نے معہ برادران فوج سے مقابلہ کیا اور شکست دی، اور حسان کو تین سال قید رکھ کر آزاد کیا، یمن کو جارہا تھا کہ راستے میں مرگیا، اس فتح سے فہر کی عظمت بڑھ گئی، اس فہر کا لقب قریش ہے، قریش لغت میں وہیل مچھلی کو کہتے ہیں، جو سمندر میں بڑا جانور ہے، فہر اور اولادِ فہر کو اس لیے قریش کہتے ہیں کہ وہ عرب میں جملہ قبائل سے طاقت ور اور عظیم الشان قبیلہ تھا۔ (رحمۃ للعالمین)

بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے نضر کو ملا، حافظ عراقی سیرتِ منظوم میں لکھتے ہیں:

"**أما قريش فالأصح فهر، جماعها و الأكثرون النضر**" (سیرت شبلی ملخصًا)

امام سہیلی کی تحقیق ہے کہ یہ (فہر) قبیلہ کا نام ہے، جس طرح قبائلِ عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ۔ مؤرخینِ یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے، اور انہی جانوروں کے نام سے مشہور ہوجاتے تھے، لیکن عربی تاریخوں میں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ (حاشیہ سیرت شبلی)

۷۱	غالب		غالب لوی تیم (اس کی اولاد بنوتمیم یا بنوالادرم کہلائی)
۷۲	لوی		لوی کعب عوف عامر حرث (اولاد بنوعوف) (اولاد بنوعامر) (اولاد بنوحرث)
۷۳	کعب(۱)		کعب مرہ ہصیص سہم جمع عدی (اولاد ابوہصیص) (اولاد بنوسہم) (اولاد بنوجمع) (اولاد بنوعدی) جراح رزاح (امین الامۃ ابوعبیدہ کا نسب ان سے ہے) (حضرت عمر فاروق کا نسب ان سے ہے)

۷۴	مرہ (چھٹی پشت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دادا ہیں)		کنیت ابو یقظہ مرہ کلاب تیم مخزوم (اولاد بنوکلاب) (اولاد بنوتیم) (اولاد بنومخزوم-حضرت خالد بن ولید سیف اللہ اسی شاخ سے ہیں)
۷۵	کلاب (نام حکیم، اور کنیت ابوزہرہ تھی، شکاری کتے پالتے تھے، اسی لیے کلاب لقب ہوا)		کلاب قصی زہرہ عبدمناف حارث اہیب وہب عبد ابو وقاص سیدہ آمنہ (مادر مبارک حضرت رحمۃ للعالمینؐ) عوف سعدؓ (ازعشرۂ مبشرہ) (ازعشرۂ مبشرہ) عبدالرحمٰن
۷۶	قصی (۲)		قصی عبدمناف عبدالدار (۳) عبدالعزیٰ تخمرو برّہ بیٹیاں (۴) اسد خویلد عوام سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نوفل زبیر (ازعشرۂ مبشرہ) ورقہ (مؤمنِ نبوتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام دائما)

(۱) علوِ شان و بلندیٔ جاہ کی وجہ سے کعب نام رکھا گیا، عرب میں ان کی پیدائش سے سنہ کا شمار ہوتا ہے، یہ سنہ واقعۂ فیل تک تقریباً چار صدیوں تک جاری رہا، ان کی کنیت ابوہصیص ہے۔ (رحمۃ للعالمین)

(۲) قصی بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا، اس زمانے میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے، قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبّی تھا، شادی کی تھی، اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کے سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہوگیا، قصی نے ایک دارالمشورہ قائم کیا، جس کا

نام دارالندوہ رکھا۔قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہوکر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا کرتے۔قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً: سقایہ اور رفاہ جو خدامِ حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، اسی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی، اور کہا کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چناں چہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظّمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے، جن میں ایامِ حج میں پانی بھر دیا جاتا کہ حجاج کے کام آئے، مشعرِ حرم بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایامِ حج میں چراغ جلاتے تھے۔چناں چہ عقدالفرید میں تصریح کی گئی ہے کہ قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا، چناں چہ علامہ ابنِ عبدالبرؒ نے عقدالفرید میں بھی لکھا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چوں کہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا، اس لیے اس کو قریش کہتے ہیں، قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے ہیں، چناں چہ شاعر کہتا ہے

قصی لعمری کان یدی مجمعًا به جمع الله القبائل من فهر

(سیرت النبی، شبلی نعمانی)

(۳) عثمان بن طلحہ کا نسب اس سے ملتا ہے، اسی خاندان میں کلید کعبہ چلی آتی ہے، عثمان کے فرزند کا نام شیبہ تھا، اس لیے یہ بنوشیبہ کہلاتے ہیں۔

(۴) سیرت شبلی نعمانی میں ایک اور بیٹے عبد بن قصی کا بھی تذکرہ ہے۔

غیر مسلم مؤرخین، قصی کی کامیابی کو بہت بڑھاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ: اسی نے حکومت کو جمہوریت کے اصول پر قائم کیا؛ ان کا مطلب در پردہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو ان کے اصول کی شرح بنا دیں، لیکن یہ قصی ہنوز جمہوریت اور ایثار سے بہت دور تھا کیوں کہ ایک فرزند عبدالدار کو بڑھاتے ہوئے، دوسرے فرزندوں کو اس کی غلامی کے لیے چھوڑا، اسی وجہ سے اس کی اولاد میں وہ مشہور مخالفتیں ہوئیں جو تاریخ میں مذکور ہیں۔(سیرت رحمۃ للعالمین)

۷۷	عبدمناف			نام اہلیہ — پسران عبدمناف دختران ا۔عاتکۃ الکبریٰ بنت مرہ بن ہلال — مطلب، ہاشم، عبدالشمّس غاضر، برہ،حنہ، ہالہ،قلابہ ۲۔واقدہ بنت عامر بن عبد — نوفل،ابوعمرو،ابوعبیدہ ۳۔ — ثقیفہ ریطہ
				اصل نام مغیرہ اور حسن وجمال کے سبب لقبِ اول قمر البطحاء تھا، ماں نے پہلے پہل مناۃ بت پر بھیجا (جسے مناف بھی کہتے ہیں) اسی لیے عرفِ عام میں عبدمناف مشہور ہوا، خدا پرستی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے، عبد مناف کا پہلوٹی بیٹا مطلب تھا، اس کی اولاد مطلبی کہلائی، حارث بن مطلب کے تین بیٹے صحابی ہیں: ا۔عبیدہ ابوالحارث جو بدر میں شہید ہوئے۔۲۔طفیل۔اور۳۔حصین کی وفات ۳۲ھ کو ہوئی۔ امام شافعی کا نسب مطلب سے ملتا ہے۔
۷۸	ہاشم			ہاشم کا نام عمرو ہے، عمروالعلاء کے لقب سے مشہور تھے، اپنے باپ کے بعد قوم کے سردار تھے، ان کے برادر زادہ

اُمیہ بن عبدشمس نے ان کی سرداری سے انکار کیا، منصف نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔

ایک مرتبہ مکہ معظّمہ میں طعام کمیاب تھا، جب شام سے قافلہ تجارت (کا سامان) لایا تو اونٹوں پر آٹا اور روٹیاں لاد لائے، اور مکہ مکرمہ پہنچ کر دعوت کی اور شوربے میں روٹیاں توڑ توڑ کر ڈال دی گئیں، ''ہشم'' ٹکڑے کرنے کو بھی کہتے ہیں، اس لیے ہاشم نام ہوا، اس ہاشم نے قیصر سے یہ فرمان حاصل کیا کہ قریش جب اس کے ملک میں تجارت کا اسباب لے کر جائیں تو ان سے ٹیکس نہ لیا جائے۔

امیہ کو اپنے چچا سے جو اختلاف شروع میں ہوگیا تھا، وہ آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوا، چناں چہ ہاشم و مطلب کی اولاد ایک طرف اور نوفل وعبدشمس کی اولاد دوسری طرف تھی، مگر حضور ﷺ کی برکت سے ان کی اولاد سے

عداوت جاتی رہی، عبد شمس کا بیٹا امیہ ہے جس کی اولاد بنوامیہ کہلائی، جبیر بن مطعم کا نسب ان سے ملتا ہے، انہوں نے بھی قیصر سے کھلی تجارت کا فرمان حاصل کرلیا تھا، ابوعمرو اور ابوعبیدہ کے حالات سے تاریخ ساکت ہے، حدیث میں کچھ پتہ چلتا ہے۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)

ہاشم

نام اہلیہ	پسران	دُختران
سلمٰی بنت عمور بن زید نجاری	شیبہ یعنی عبدالمطلب	رقیہ بچپن میں فوت ہوئی
ہند بنت عمرو بن ثعلبہ الخزرجی	اباصیفی	
قیلہ الملقب بہ جزور بنت عامر بن مالک بن جزعہ	اسد	
اُمیمہ بنت عدی بن عبداللہ بن دینار (من قضاعہ)	نضلہ	شفا
واقدہ بنت ابی عدی (از بنومازن)		ضعیفہ، خالدہ
عدی بنت حبیب (از بنوثقیف)		حنہ

۷۹	عبدالمطلب	نام عامر، لقبِ اول شیبہ اور ثانی عبدالمطلب، اور ان کو شیبۃ الحمد، فیاض اور معطم طیر السماء بھی کہتے ہیں، نیز سید قریش اور شریفِ قریش سے عام طور پر ملک میں نامزد تھے، عمر ۸۲/سال ہے۔

عبدالمطلب

نام اہلیہ	پسران	دُختران
صفیہ بنت جیندب بن حجیر بن زباب بن سواۃ (از نسل نضر)	حارث	
لبنٰی بنت ہاجر (از بطن خزاعہ)	ابولہب (عبدالعزیٰ)	
ہالہ بنت وسیب بن عبدمناف بن زہرہ	مقوم، حجل، مغیرہ، حمزہ	صفیہ
فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ	عبداللہ، زبیر، ابوطالب، عبدالکعبہ	ام حکیم، بیضاء، امیمہ، اروی، برہ، عاتکہ

نتیلہ بنت خیاب بن کلیب (از نسل ربیعہ بن نزار)	ضرار، قثم، عباس	
منعمہ بنت عمرو بن مالک (از بطن خزاعہ)	غیداق، مصعب	
میزان زوجات:٦	میزان پسران:١٥	میزان دختران:٧

بعض مؤرخین نے فرمایا ہے کہ غیداق اور حجل ایک ہے، اور عبد الکعبہ اور مقوم ایک ہے، اور قثم تھا ہی نہیں، تو اس طرح پسران بارہ ہوئے۔

عبد المطلب کا نام عامر ہے، (اور سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی میں شیبہ کو جو کہ دراصل لقب ہے، نام کہا گیا، واللہ اعلم)۔ ''شیبہ'' کا ترجمہ بوڑھا ہے، نیک تفائل کے لیے لقب پڑ گیا، جب کہ صحیح یہ ہے کہ پیدا ہوتے وقت ان کے چند بال سفید موجود تھے۔ جب ان کے والد ہاشم نے خاندان بنی نجار کی مسماۃ سلمٰی سے شادی کی اور شام کو چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا، مگر چوں کہ سلمٰی کو حمل رہ گیا تھا، اور لڑکا پیدا ہوا، تقریباً آٹھ برس تک پرورش پائی، اتنے میں ہاشم کا بھائی جن کا نام مطّلب تھا، یثرب سے جا کر اُنہیں لے آیا اور بیٹوں کی طرح ناز ونعم سے ان کی پرورش کی، اس احسان مندی کی قبولیت واظہار میں یہ بھی تمام عمر ''عبد المطلب''، یعنی ''مطلب کے غلام'' کہلاتے رہے، مگر اصلی نام اور لقب پر آخری لقب غالب آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک ''محمد'' (ﷺ) انہوں نے تجویز کیا تھا، اور آٹھ سال تک حضور ﷺ کی تربیت کا شرف بھی انہیں نصیب ہوا، ان کے عہد میں واقعہ فیل کا ظہور ہوا، ان کی عام نصیحت یہ ہوتی تھی کہ ظلم وبغاوت نہ کرو، اور مکارمِ اخلاق حاصل کرو، زمزم کا کنواں جسے عمرو بن حرث نے بند کر دیا تھا، اور مدت سے کسی کو یاد بھی نہ تھا، اس کو عبد المطلب نے دوبارہ نکالا، تو یہ چشمہ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یادگار رہے، ویسے ہی عبد المطلب صاحب کی بھی یادگار ہے، ان کا بیٹا حارث اپنے والد کی حیات ہی میں مر گیا تھا، مگر ان کے فرزند جو کہ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں، چار ہیں، اور تمام کے تمام مسلمان ہیں۔ نوفل جنگ خندق یا فتح مکہ میں مسلمان ہوئے، ان کے تینوں فرزند: عبد اللہ، مغیرہ اور حارث بھی صحابی ہیں، مغیرہ نے ہی ابن ملجم کو گرفتار کیا تھا، اور سیّدہ امامہ بنتِ زینب بنتِ رسول اللہ ﷺ کا نکاح بھی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے انتقال کے بعد ان ہی کے ساتھ ہوا، جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے، عبد اللہ بن حارث اور ربیعہ بن حارث بھی مسلمان تھے، یہ ربیعہ وہی ہیں، جن کے شیر خوار بچے کا خون بہا حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے معاف کیا تھا۔ ابوسفیان مغیرہ بن الحارث، یہ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں، انہوں نے بھی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا، یہی جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان کے فرزند عبد اللہؓ اور جعفرؓ

دونوں صحابی ہیں، ابو طالب کا نام عبد مناف ہے، مگر کنیت نام پر غالب آ گئی، حضور ﷺ کے ساتھ ۱۰ رنبوّت تک ناصر وفدائی رہے، ان کے چار فرزند تھے، طالب غیر مسلم تھے، عقیل، جعفر اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اور دو دُختران اُمِّ ہانی اور جمانہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہیں۔

نام: عقیل، کنیت ابو یزید ہے، صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لائے، اور سلطنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے، انہی کے فرزند مسلم رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ کے نائب ہوکر کوفہ گئے تھے اور تین ذوالحجہ کو شہید ہوئے، ان ہی کے دونوں فرزند محمد، عبد الرحمٰن اور ایک پوتا عبد اللہ بن مسلم کربلا میں شہید ہوئے۔

جعفر طیار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی تھے، انہوں نے پہلے پہل حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور جملہ مہاجرینِ حبشہ کے سردار تھے، ان کے ہاتھ پر خوب اشاعت اسلام ہوئی، فتح خیبر ہی کے دن، خیبر میں حضور ﷺ سے ملاقی ہوئے، اور جنگ موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا، تو ان کے جسم کے اگلے حصے پر تلوار اور نیزے کے نوّے سے زیادہ زخم موجود تھے، دونوں بازو جڑ سے کٹ گئے تھے، ان کی تعریف بیان سے باہر ہے، ان کا شجرۂ اولاد یہ ہے:

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

ابوجعفر عبداللہ الجواد	عون	محمد الاکبر	محمد الاصغر	حمید	حسین	عبداللہ الاصغر

عبداللہ قاسم

ابوجعفر عبداللہ الجواد: بحرالجود تھے، ۸۰ھ میں بہ عمر ۹۰ سال فوت ہوئے، سیدہ زینب کبریٰ بنتِ علی ان کے نکاح میں تھیں، ان کے فرزند عدی کو ابن نہشل نے کربلا میں شہید کیا، اور عون اور محمد تُستر میں شہید ہوئے۔

قاسم: حضرت اُمِّ کلثوم بنت زینب بنتِ علی مرتضیٰ ان کے نکاح میں آئیں۔

ابوجعفر عبداللہ الجواد

معاویہ	عبداللہ (۱۲۵ھ میں خلافت کا دعویٰ کیا، ۱۲۹ھ میں اسیر ہوئے ۱۳۳ھ میں فوت ہوئے نسل نہیں چلی)
علی الزینبی	اسحاق الاشراف (نسل کثیر باقی ہے) محمد بن ادریس الرئیس ابراہیم جعفر السید (نسل کثیر باقی ہے، بنو جعفر کہلاتے ہیں)

اسحاق العریفی	محمد (نسل گم) جعفر (نسل گم) قاسم (ان کی والدہ بنت القاسم بن محمد بن ابوبکرؓ ہیں، قاسم بن اسحاق اور جعفر صادق خالہ زاد بھائی ہیں)
اسماعیل زاہد	(ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے)
محمد	شہید کربلا (ان کی والدہ خوصا بنت حفصہ ہے)
عدی	شہید کربلا
عون	شہید کربلا - ان کی والدہ جمانہ بنت حفصہ ہیں (از بنی فرازہ ہیں)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومحاسن قلم میں نہیں آسکتے مختصر عرض یہ ہے کہ شجاعت اور قضایا میں بین الاماثل ممتاز تھے، سیدہ فاطمہ زہرا سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حضرت اِمام حسن وحضرت اِمام حسین رضی اللہ عنہما کے والد بزرگوار ہیں، ابوالحسن کنیت ہے، اور ابوتراب بھی کنیت ہے، جو کہ حضور ﷺ کا عطیہ ہے، اس پر نہایت شاداں ہوتے تھے، جمعہ ۱۷/ رمضان المبارک ۴۰ھ صبح کے وقت اشقی الناس ابن ملجم کے ہاتھ مسجد کوفہ میں زخمی ہوکر شہید ہوئے، حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر ازواج سے سولہ یا سترہ فرزند اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں، جن میں سے چھ فرزند والد کے سامنے گزر گئے، اور چھ کربلا میں شہید ہوئے، دنیا میں ان پانچ بیٹوں: امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عباس، عمر اطراف کی نسل موجود ہے، ان کے شجرہ کی تفصیل اور کچھ حالات پیش خدمت کئے جائیں گے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ!

اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کا نام ہند تھا، بعض نے فاطمہ لکھا ہے، ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم سے ہوا تھا، ان کے بطن سے ہانی، عمرو، یوسف، اور جعدہ دُختر ہوئی، عام الفتح کو اسلام لائیں اور ان کا شوہر نجران کی طرف بھاگ گیا، اس کے اسلام قبول کرنے کی کوئی روایت نہیں ملی۔

جمانہ کے متعلق امام اہل السیر ابنِ اسحاق نے لکھا ہے کہ: حضور ﷺ خیبر کی پیداوار سے تیس وسق کھجور جمانہ دختر ابی طالب کو دیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان تھیں، اور خیبر تک زندہ رہیں، باقی حالات نہیں ملے۔

ابو طالب کی سب اولاد: طالب، عقیل، جعفر، علی، ام ہانی اور جمانہ ایک ہی والدہ، فاطمہ اسدیہ سے ہیں۔ (سیرت رحمت للعالمین)

۸۰: حضرت عبداللہ:

باپ کے لاڈلے فرزند تھے، جناب عبدالمطلب صاحب نے منّت مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ اسے دس فرزند عطا فرمائے، تو ان میں سے ایک کو تقرّبِ الٰہی کے لیے ذبح کروں گا، اس قربانی کی رسم اس وقت جاری تھی، اور موجودہ زمانہ میں بھی ہند، یونان، ایران، چین، افریقہ وغیرہ میں بعض جگہ پائی جاتی ہے، عبدالمطلب کے اس فعل میں اگر کوئی ندرت ہے تو یہ کہ اس نے یہ منّت خالص خدا تعالیٰ کے لیے مانی تھی، کسی دیوتا یا بت کے لیے نہیں مانی، جب دس فرزند پیدا ہو چکے تو انہوں نے فرزندوں میں قرعہ ڈالا، تو عبداللہ کا نام نکلا، اس پر عبداللہ نے بھی باپ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کی لیے قربان ہونا منظور کیا۔

سیرت النبی شبلی نعمانی میں ہے کہ: عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں، رونے لگیں، اور کہا کہ: ان کے بدلے میں دس اُونٹ قربان کیجئے، اوران کو چھوڑ دیجئے۔

عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹ میں قرعہ ڈالو.... الخ۔

ابو طالب نے اپنے برادرِ شفیق کے بچاؤ کے لیے باپ سے مزاحمت کی، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ، جو کچھ مشہور کاہن کہہ دے، وہی کیا جائے، کاہن نے کہا کہ: اُونٹوں پر قرعہ ڈالنا چاہئے، دس اونٹ کے ساتھ قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کے نام قرعہ نکلا، آخر سو اونٹ تک گئے، تب قرعہ سو اونٹوں کے نام نکل آیا، تو عبدالمطلب نے سو اونٹ قربان کئے، اس واقعے سے قبل انسانی دیت یعنی خون بہا کے لیے دس اونٹ مقرر تھے، لیکن اس واقعے کے بعد عام طور پر سو اونٹ مقرر ہوئے، گویا کہ عبدالمطلب صاحب کے خلوص اور عبداللہ کی اطاعت پدری کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے ملک میں انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی، اور ظاہر ہے کہ دیت کی مقدار بڑھنے سے قتل کی تعداد میں ضرور بہت کمی آئی ہوگی۔

سردار عبداللہ کا نکاح قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی سے ہوا، جن کا نام آمنہ تھا، اور یہ قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں [سیرت ابن ہشام]، نکاح کے بعد عبداللہ صاحب ملکِ شام کو تجارت کے لیے گئے اور واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں کھجور کے سودے کے لیے ٹھہرے، وہیں بیمار ہوئے اور عالمِ آخرت کو سفر کر گئے، دستور تھا کہ دولہا شادی کے بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا، عبداللہ صاحب تین دن تک سسرال رہے [سیرت رحمت للعالمین] اس وقت ان کی عمر سترہ یا پچیس برس سے کچھ زائد تھی۔ (زرقانی: ۱/۱۴۲/سطر ۷)

سیّدہ آمنہ ان ہی دنوں امانت دارِ نورِ محمدی (علی صاحبہ الف الف صلوۃ وسلام) ہوگئی تھیں، ان کا بیان ہے کہ مجھے بوڑھی عورتوں نے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکا لو اور کچھ بازُو میں باندھ لو، ایسا کیا تو پھر یہ دیکھا کہ لوہے کی چیزیں کہیں گر گئی تھی، پھر میں نے کچھ نہ باندھا۔ سیّدہ آمنہ کو خواب میں بتلایا گیا کہ اپنے

ہونے والے بچے کا نام ''احمد'' (ﷺ) رکھنا، چناں چہ انہوں نے ایسا ہی کیا، ادھر دادا صاحب نے ہونے والے پوتے کا نام ''محمد'' (ﷺ) تجویز کیا، پس احمد اور محمد (ﷺ) دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام ہیں۔اس خواب سے سیّدہ آمنہ کو یقین ہو گیا کہ یہ مولود نہایت سعید ہوگا، عبداللہ صاحب نے ترکہ میں اُونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی، جس کا نام امّ ایمن تھا، یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کو ترکہ میں ملیں۔(طبقات ابن سعد) حضرت اُمّ ایمنؓ کا اصلی نام برکہ تھا۔ (سیرت رحمت للعالمین ﷺ، وسیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی)

۸۱: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ظہورِ قدسی: چمنستانِ دہر میں بارہا رُوح پرور بہاریں آ چکی ہیں، چرخ نادرۂ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں، آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صَرف کردیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدتِ دراز سے اسی صبح جان نواز کے لیے کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضاوقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدّت طرازیاں، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، اَبر وَباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیم، جمالِ یوسف، موسوی معجزہ طرازی اور جان نوازیٔ مسیح، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں بار شہنشاہِ کونین کے دربار میں آئیں گے، آج کی صبح وہی صبح جاں فزا، وہی ساعتِ ہمایوں اور وہی دورِ فرخ فال ہے، یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، مشامِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم اور شہنشاہِ کونین، عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزّت واجلال ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِه وَاَتْبَاعِه وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا :

شمۂ نہ مسند ہفت اختراں — ختم رُسل خاتمِ پیغمبراں

''آسمانوں کی خوشبو اور سات ستارے اس کی تکیہ گاہ، وہ ختمِ رسل اور آخری پیغمبر۔''

احمدِ مرسل کہ خرد خاک اوست — ہر دو جہاں بستۂ فتراک اوست

''احمد مرسل کہ عقل اس کے سامنے خاک ہے، دونوں جہاں اس کے تسمہ پر بندھے ہوئے ہیں۔''

امی وگویا بہ زبان فصیح — از الفِ آدم ومیمِ مسیح

''امی ہے اور فصیح زبان سے کہتا ہے، لفظِ آدم علیہ السلام کی الف اور مسیح کی میم سے۔''

رسم ترنج است کہ در روزگار — پیش دہد میوہ پس آرد بہار

''ترنج کا طریقہ ہے کہ موسم میں پہلے پھل نکالتا ہے، پھر بہار (برگ وبار) لاتا ہے۔''

حضور ﷺ کی اولاد

حضور ﷺ کے فرزند نرینہ تین ہوئے اور دختران طاہرات چار ہیں۔

قاسم رضی اللہ عنہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے، اور پاؤں پر چلنا سیکھ رہے تھے کہ راہ گزین عالمِ جاودانی ہوئے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ: ان کا لقب طیب و طاہر بھی ہے، مکہ معظّمہ میں بعثتِ نبوت کے بعد پیدا ہوئے، اور مکہ ہی میں فوت ہوئے، جس پر کفار نے طعنہ دیا کہ حضور ابتر ہیں، اور سورۂ کوثر نازل ہوئی کہ، ان کا ذکرِ خیر قیامت تک جاری رہے گا۔

ابراہیم رضی اللہ عنہ: مدینہ منوّرہ میں پیدا ہوئے، اور حضرت ماریہ، جن کو شاہِ مصر نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا، کے بطن سے پیدا ہوئے، براء بن اوس انصاری کی زوجہ اُمِّ بردہ نے دودھ پلایا، اور ان کو حضور ﷺ نے ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا، یہ بھی ایام رضاعت میں ہی خلدِ بریں جا سدھارے، اسی روز سورج گرہن بھی ہوا تھا۔

حضور ﷺ کی ہر چہار بیٹیاں بطنِ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہیں، اور سب کی اولاد مکہ معظّمہ میں ہیں، اور حضور ﷺ کی ربائب (گود میں پلنے والے) درہ، زینب اور اُمِّ کلثوم، جو اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں اور جن کا نکاح ۴ھ میں ہوا، اور حبیبہ جو اُمُّ المؤمنین اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دُختر ہیں، اور بھی دُخترانِ طاہرات ہیں کیوں کہ ۴ھ سے پہلے ربائب نہیں تھیں اور صاحبزادیاں ۴ھ سے پہلے موجود تھیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں اپنی والدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہار، اپنے شوہر کی رہائی کے لیے بھیجا تھا، اور رُقیہ اور اُمِّ کلثوم بنات النبی ﷺ کا ذکر واقعات قبل از ہجرت میں ابولہب کے خاسرانہ افعال میں آتا ہے، علاوہ ازیں ہر سہ بناتِ نبوی کا انتقال بحیاتِ نبوی ہوا، مگر مذکورہ ربائب ارتحالِ نبوی کے بعد دیر تک اپنے گھروں میں آباد تھیں، جن کی تفصیل ان کے حالات سے ملتی ہے۔

سیّدہ زینب بنت النبی ﷺ و رضی اللہ عنہا، قاسمؓ سے چھوٹی اور باقی اولاد سے بڑی تھیں۔

سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ زینبؓ سے چھوٹی ہیں۔

سیّدہ امِّ کلثوم، سیّدہ رقیہ سے چھوٹی ہیں۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ اُمِّ کلثوم سے چھوٹی ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا:

حضور ﷺ کی عمر مبارک تیس سال کی تھی، جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں پیدا ہوئیں، ان کا نکاح ابوالعاص بن ربیع بن شمس بن عبد مناف بن قصی سے ہوا تھا، ابوالعاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن ہیں، سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے والدہ کے ساتھ مسلمان ہوئیں، مگر ابوالعاص کا اسلام بہت تاخیر میں رہا، بدر میں ابوالعاص جب اسیر ہوکر آیا اور رہائی کے بعد مکہ پہنچا، تو حسبِ وعدہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کی اجازت دے دی، سفرِ ہجرت میں ہبار بن الاسود نے مزاحمت کی، تو اس سے آپ رضی اللہ عنہا کا حمل ساقط ہوگیا، ابوالعاص جب تجارتِ شام سے واپس ہوا، تو ابوبصیر اور ابوجندل نے قافلے کا سارا سامان لے لیا، مگر ابوالعاص کو گرفتار نہ کیا، وہ مدینہ طیبہ پہنچا، سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو امان دی، اور مال کی واپسی کا عرض کیا، چناں چہ مال واپس دے دیا گیا، تو ابوالعاص مکہ مکرمہ والوں کو تمام مال دے کر مسلمان ہوکر مدینہ طیبہ پہنچا، حضور ﷺ نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف پھیر دیا، ابوالعاص سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک دُختر پیدا ہوئی جن کا نام اُمامہ تھا، اور ایک علی نام کا فرزند پیدا ہوا، یہ علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں ناقہ پر ردیف تھے، عنفوانِ شباب میں علّیین پہنچے، حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا، اور حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے ہوا، جس سے یحی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، مگر اب ان کی نسل ناپید ہے۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا، جب کہ ابوالعاص کی وفات ۱۲ھ میں ہوئی۔

سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا:

جب حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی، اس وقت سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، مکہ ہی میں حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے نکاح ہوا، سیّدہ رُقیہ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر کا ساتھ دے کر قائم کیا۔ (رواہ الحاکم) سیّدہ رُقیہ کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے، جو ابھی چھ سال کے تھے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب ٹھونگ ماری، زخم ہوگیا، اور اسی سبب سے رحلت گزینِ عالمِ بقا ہوئے، اس سے پہلے ہی سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا ۲ھ میں جنگِ بدر کے موقع پر چیچک کی بیماری سے اکیس سال کی عمر میں رفعت بخش علّیین ہوئیں، ان کی تیمارداری پر حضور ﷺ حضرت عثمان غنی اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر بدر میں تشریف لے گئے، بشارت فتح کے دن ان کی تدفین ہوئی۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، ان کی ولادت غالباً آنحضور ﷺ کی عمر مبارک کے اِکتالیسویں سال ہوئی تھی؛ واقعہ بدر کے بعد اور اُحد سے پہلے سیّدہ فاطمہ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس سیّدہ، عالیہ کی مدح وثنا کرنے کی کسی میں طاقت نہیں، عقلِ بشری کی رسائی نہیں، مختصراً یہ کہ " سیّدة نساء أهل الجنة" ہیں، اور سیّدة نساء العالمین'' ہیں، حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ ۳/ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی، ان کی وصیت کے مطابق اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ ابوبکر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غسل دیا، حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے نماز پڑھی اور اہلِ بیت میں سب سے پہلے حضور ﷺ کو جاملیں، ان کی عمر ۲۲/ یا ۲۳/ سال تخمیناً ہے، سیّدہ فاطمہ کے بطن سے امام حسن، امام حسین اور سیّدہ کلثوم پیدا ہوئے۔

سیّدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے چالیس ہزار درہم مہر پر ہوا، ان سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے، حضرت عمر فاروق کے بعد ان کا نکاح ثانی عون بن جعفر طیار سے ہوا، جس دن زید بن عمر کا، جو بطن طاہرہ ام کلثوم سے ہیں، انتقال ہوا، اسی دن ان کی والدہ ام کلثوم بنت فاطمہ کا نکاح ہوا۔

سیّدہ زینب بنت فاطمہ کا نکاح عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا، میدان کربلا میں اپنے برادر مکرم ومفخم حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں، نہایت صبر سے جملہ مصائب کو برداشت کیا، اور اعداء واشقیاء کو خوب خوب جواب دیئے، ان کے فرزند عدی بن جعفر بھی میدان کربلا میں شہید ہوئے؛ بعض نے سیّدہ فاطمہ بنت النبی کی اولاد میں محسن اور رقیہ بھی ایزاد کئے ہیں، اور کہا کہ صغر سنی میں فوت ہوئے ہیں، سیّدہ فاطمہ کی قبر میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ اپنے گھر ہی میں مدفون ہیں، اور بعض نے کہا کہ بقیع غرقد میں، حضرت امام حسن، زین العابدین اور عباس ؓ کے پہلو بہ پہلو ہیں، مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ: ۳۰۴ھ میں بقیع غرقد میں ایک پتھر ملا جس پر تحریر تھا: ''هذا فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم''۔

حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ:

حضرت اِمام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے؛ حضرت امام حسن کا نصف پیکر بالائی اور امام حسین کا نصف پیکر زیریں حضور ﷺ سے مشابہ تھا، امام حسنؓ یکے از ناظرین ومحافظین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، حضرت علیؓ کے بعد چالیس ہزار سے زیادہ بہادروں نے امام حسنؓ سے موت پر بیعت کی، چار ماہ تک امام ہمام نے عراق وعرب، ماوراء خراسان کی خلافت کی، آخر کوفہ کی جامع مسجد میں بماہ جمادی

الاولیٰ ۴۱ھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بسبب رحم دِلی و دفع خونریزی، خلافت سپرد کی، ۵۶؍سال کی عمر میں بماہ ربیع الاول ۵۹؍وفات پائی، ہوالحی الذی لا یموت! حضرت عائشہؓ نے اپنے خانہ میں دفن ہونے کی اجازت دی، مگر مروان حاکمِ مدینہ نے دفن نہ ہونے دیا، آخر بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بارہ فرزند تھے، حسن، مثنیٰ، زید، طلحہ، حسین، اسماعیل، عبد اللہ، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمٰن، ابوبکر، قاسم اور عمر رحمۃ اللہ علیہم؛ اور پانچ دُختران تھیں: فاطمہ، امِ سلمہ، امِ عبداللہ، ام الحسین رملہ اور ام الحسن، رضی اللہ عنہن، اب دنیا میں زید اور حسن المثنیٰ کی اولاد باقی ہے، اولادِ حسن میں سے عمر، قاسم اور عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے، حسین الاشرم اور عمر سے اولاد ہوئی، مگر نسل باقی نہیں رہی، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

زید بن الحسن کے فرزند ابو محمد حسن، سلطنتِ منصور میں امیرِ مدینہ ہوگئے تھے، حضرت سید محمد گیسو دراز صاحب خلیفہ حضرت نصیرالدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہما ان کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صدقات کا اہتمام حسن مثنیٰ بن حسن رضی اللہ عنہما کے سپرد تھا، یہ میدانِ کربلا میں شریک ہوئے اور سخت زخمی ہوگئے تھے، اسماء بنت خارجہ خزاری رضی اللہ عنہا نے ابنِ اسعد سے علاج کرانے کی اجازت حاصل کی، اور یہ اچھے ہوگئے، پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کی دُختر فاطمہ سے نکاح کیا، جس سے ابراہیم الغمر، حسن مثلث اور عبداللہ محض پیدا ہوئے، یہ تینوں اشخاص طرفین سے فاطمی ہیں، اور ایک رومیہ عورت سے داؤد اور جعفر نامی دو اور فرزند تھے۔

عبداللہ محض شیخ بنو ہاشم کے لقب سے ملقب تھے، ان کے چھ فرزند تھے، محمد ذی النفس الزکیہ، ابراہیم، موسیٰ الجون، یحیٰ، سلیمان، ادریس۔

محمد ذی النفس الزکیہ نے خلافت کا دعویٰ کیا، امام ابوحنیفہ نے ان کو چار ہزار درہم بطورِ امداد بھیجے، موسیٰ الجون بن سیدّ عبداللہ محض کی نسل سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ کا لقب غمر کثرتِ جود کی وجہ سے ہے، ابو اسماعیل کنیت ہے، ۱۴۵ھ میں ۶۹؍سال کی عمر میں فوت ہوئے، ان کی نسل اسماعیل دیباج، جس کی کنیت ابوابراہیم اور لقب شریف الخلاص تھا، سے جاری ہے، اسی طرح ان کی نسل فرزند حسن التج اور ابراہیم طباطبا سے بھی جاری ہے، بنومعیہ، جس سے سیّد عمادالدین محمد بن محمد بن حسین دہلی والے ہیں، انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

حسن المثلث بن حسن مثنیٰ کی کنیت ابوعلی ہے، ۱۴۵ھ میں وفات پائی، ان کی نسل موجود ہے۔

داؤد بن حسن مثنیٰ رحمہ اللہ کی والدہ رومیہ ہیں، حضرت امام جعفر کے باہم رضیع تھے، اور یہی صدقاتِ علی

مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے متولی تھے، ان کی نسل سلیمان بن داؤد سے جاری ہے۔

سلیمان بن داؤد رحمہ اللہ کے چار فرزند تھے: موسیٰ، داؤد، اسحاق اور حسنؒ، ان سب کی نسل موجود ہے۔

جعفر بن مثنی رحمہ اللہ کی کنیت ابوالحسن ہے، ۱۷۰ھ میں وفات پائی، ان کے بیٹے حسن سے عبداللہ، جعفر ملقب بہ غدار اور محمد الشیلق سے نسل جاری ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ:

حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما، امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے برادر خورد ہیں، ۵؍شعبان میں پیدا ہوئے، امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت سے پچاس یوم بعد امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے بطنِ مادرِ اطہر میں استقرار پایا تھا، امام حسین نے پچیس حج پیادہ پا کئے تھے، امام حسن نے بیس حج پیادہ پا کئے ہیں، ان دونوں کی تعریف میں کتب پُر ہیں، بروز جمعہ عشرۂ محرم ۶۱ھ کربلا میں شہادت پائی ہے، ان کی نسل امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے جاری ہے۔

زین العابدین کا اسم مبارک علی ہے، کثرتِ عبادت کی وجہ سے زین العابدین سجاد ذو الثفنا ۃ لقب پڑ گیا؛ واقعۂ کربلا میں ۲۳؍سال کے تھے، ۳۸ھ میں پیدا ہوئے، ۹۵ھ میں وفات پائی، ان کی والدہ بنت یزدجر ہیں، جو عہد فاروقی میں اسیر ہوکر آئیں، ان کی نسل چھ فرزندان سے جاری ہے: محمد باقر، عبداللہ الباہر، زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر اور علی الاصغر رحمۃ اللہ علیہم، اور دو بیٹیاں ہیں: ام کلثوم اور خدیجہؓ۔ ام کلثوم کا نکاح داؤد بن حسن مثنیٰ سے ہوا تھا، ان کے بطن سے سلیمان پیدا ہوا، سلیمان کی نسل داؤد، اسحاق اور حسن سے جاری ہے۔ خدیجہ کا نکاح محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم سے ہوا، ان کے بطن سے عبداللہ، عبیداللہ اور عمر پیدا ہوئے، نسل باقی ہے۔ عبداللہ الباہر کی نسل محمد الارقط سے جاری ہے، اس کا ایک بیٹا اسماعیل تھا، جس سے حسین اور محمد پیدا ہوئے، قوم جرجان میں نسل پائی جاتی ہے۔

زید الشہید بن امام زین العابدین کی والدہ ام ولد تھیں، آپ نے سلطنتِ ہشام میں دعویٰ خلافت کیا تھا، مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رے، جرجان کے علاوہ صرف کوفہ کے پندرہ ہزار اشخاص تھے، جو سب لوگ یوسف ثقفی کے مقابلے میں امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے، امام زید شہید نے اسی موقع پر فرمایا: " رَفَضُوْنَا الْيَوْمَ "اسی دن سے "رافضی" کا لفظ نکلا، ۱۵؍صفر ۱۲۱ھ میں زخمِ تیر سے شہید ہوئے، ان کے چار فرزند تھے:

یحییٰ جو اٹھارہ سال کی عمر میں فوت ہوئے، ایک دُختر، ان کی یادگار تھیں۔ حسین ذی الدمعہ نے ۱۳۵ھ میں وفات پائی، نسل کثیر باقی ہے۔

عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل ان کے چار فرزندان: احمد، زید، محمد اور حسین عصارہ سے جاری ہے، سادات بارہ وبلگرام کا نسب اسی نژادِ عالی سے ہے، رحمۃ اللہ علیہم۔ محمد سے نسل جاری ہے۔

عمر الاشرف بن امام زین العابدین کی نسل علی الاصغر سے جاری ہے، ان کے تین فرزند: قاسم، عمر البختری، ابومحمد الحسن سے نسل جاری ہے۔

حسین الاصغر بن امام زین العابدین کی والدہ ساعدہ ام ولد تھیں، ۱۵۷ھ میں وفات پائی، بقیع میں دفن ہیں، عبداللہ، عبیداللہ الاعرج، علی، ابومحمد الحسن اور سلیمان سے نسل کثیر باقی ہے۔

علی الاصغر بن زین العابدین کی نسل حسین افطس سے جاری ہے، افطس کی نسل علی الحوری عمر، حسن مکفوف اور عبداللہ الشہید رحمۃ اللہ علیہم سے جاری ہے۔

امام محمد باقر بن زین العابدین کا نام نامی محمد، باقر لقب، اور ابوجعفر کنیت ہے، عبداللہ الباہر کے برادر شفیق ہیں، باقر العلوم، وافر الحکم اور جلیل القدر تھے، ان کی مرویات صحاح وسنن میں ملتی ہیں، واقعہ کربلا کے وقت تین سال کے تھے، ان کی نسل صرف امام جعفر صادق سے جاری ہے، ان کی والدہ ام عبداللہ بنت امام حسن ہیں۔

امام جعفر صادق بن امام باقر، جعفر نام، صادق لقب اور ابوعبداللہ کنیت ہے، ان کی والدہ ماجدہ ام فروہ ہیں، جو کہ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے قاسم الفقیہ کی بیٹی ہیں، ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم ہیں، اسی لیے امام جعفر فخراً فرمایا کرتے تھے: ''وَلَدَنِي ابو بكر مَرَّتَيْنِ ''یعنی مجھے ولادت میں ابوبکر سے دوہرے واسطے ہیں، وافر العلوم اور کثیر الفیوض تھے، صحاح وسنن میں ان کی مرویات اور فتاویٰ موجود ہیں، ولادت ۸۳ھ میں اور وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی، بقیع میں مدفون ہوئے، ان کے پانچ فرزند ہیں: موسیٰ کاظم، اسماعیل، علی العریضی، محمد المأمون اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہم، سب سے نسل جاری ہے۔

اسماعیل بڑے فرزند ہیں، ان کی نسل محمد اور علی سے جاری ہے، علی ملقب بہ ضیاء الدین کے سلسلۂ نسب میں مخدوم سیّد علاء الدین علی احمد صابر کلیری ہیں۔

علی العریضی بن امام جعفر صادق کی نسل، چار فرزندان: محمد، احمد الشعرانی، حسن اور جعفر الاصغر سے جاری ہے، اور خلقِ کثیر موجود ہے۔

محمد المأمون یا محمد دیباج نے خلافت کا دعویٰ کیا، مأمون الرشید نے ان کو گرفتاری کے بعد معاف کر دیا تھا، ان کی نسل علی الخارجی، قاسم اور حسین سے جاری ہے، اور اکثر مصر میں پائے جاتے ہیں۔

اسحاق بن جعفر صادق کا لقب مؤتمن اور ابومحمد کنیت ہے، امام موسیٰ کاظم کے برادر شفیق ہیں، شیعہ کا ایک فرقہ ان کو امام مانتا ہے، ان کی نسل محمد، حسن اور حسین تین فرزندان سے جاری ہے۔

امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق، موسیٰ نام، کاظم لقب اور ابوالحسن اور ابوابراہیم کنیت تھی، ان کی والدہ ماجدہ کا نام حمیدہ ہے، جوامّ ولد تھیں، ولادت ۱۲۸ھ مقام ابواء میں، اور وفات ۶/ رجب ۱۸۳ھ بمقام بغداد ہوئی، یہ ۲۳/ پسران اور ۲۷/ دختر ان کے والد ہیں، فرزندان نرینہ میں سے: عبدالرحمٰن، عقیل، قاسم، یحییٰ اور داؤد لاولد تھے، اور سلیمان، فضل اور احمد کی اولاد صرف دختر ہی تھی، اور حسین، اور ابراہیم الاکبر، ہارون، زید اور حسن رحمۃ اللہ علیہم کی اولاد کے متعلق علمائے نسب کا اختلاف ہے، اور علی، ابراہیم الاصغر، عباس، اسماعیل، محمد، اسحاق، حمزہ، عبد اللہ، عبید اللہ اور جعفر کی نسل جاری ہے، اختصاراً چھوڑ دی گئی ہے، خواجہ بزرگ سلطان الہند سید معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ اجمیری المتوفی ۶/ رجب ۶۳۲ھ حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے ہیں۔

امام علی الرضا بن امام موسیٰ کاظم کا علی نام، رضا لقب اور ابوالحسن کنیت ہے، ولادت ۱۴۸ھ میں، اور وفات بماہ صفر ۲۰۳ھ میں بہ عمر ۵۵ سال ہوئی، مزار مشہد مقدس میں ہے، ان کی نسل صرف محمد الجواد سے جاری ہے۔

امام محمد الجواد ہوالنقی رحمہ اللہ بن امام علی الرضا کا نام محمد، لقب جواد اور کنیت ابوجعفر ہے، ولادت رمضان ۱۹۵ھ میں ہوئی، اور آخر ذوالقعدہ ۲۲۰ھ بہ عمر پچیس سال انتقال فرمایا، علی الہادی اور موسی البرقع سے نسل جاری ہے، موسی البرقع کی نسل ان کے فرزند احمد سے جاری ہے، مضافات لکھنؤ وخیرآباد میں نسل پائی جاتی ہے۔

امام علی النقی بن محمد بن الجواد کا نام علی، عسکری لقب، ہادی، نقی، عالم اور ابوالحسن کنیت ہے، بہ عمر اکتالیس سال چھ ماہ وفات پائی، ولادت نصف ذوالحجہ ۲۱۲ھ میں اور وفات ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۲۵۴ھ میں ہوئی، ان کی نسل ابوعبداللہ جعفر کذاب اور حسن عسکری سے جاری ہے، کذاب کا لقب اس لیے ہوا کہ امام حسن عسکری کے بعد خود امام ہونے کا دعویٰ کیا تھا، ان کی اولاد ان کو "جعفر تواب" کہتی ہے، اور اپنے آپ کو رضوی کہلاتے ہیں، ابوعبداللہ کی کنیت ابوکرّین بھی ہے، ان کی وفات ۲۷۱ھ میں ہوئی، اور ان کی نسل چھ فرزندان سے جاری ہے: اسماعیل حریف، یحیٰ الصوفی، ہارون، علی المختار، ادریس اور طاہر۔ اسماعیل اور یحیٰ کی اولاد مصر میں پائی جاتی ہے، ہارون کی اولاد میں سے سادات امروہہ ہیں، علی المختار کی اولاد سے سادات بھکر ہیں، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۴/ ربیع الاوّل ۶۳۵ھ اسی شاخ سے ہیں، محمد نازک اور سید جلال بخاری نزیل ہند، ان ہی علی المختار کی اولاد میں سے ہیں، ادریس کی نسل قاسم سے جاری ہے، اولاد قواسم کہلاتے ہیں۔

امام حسن عسکری بن علی النقی کا نام حسن، عسکری لقب اور ابومحمد کنیت ہے، رمضان ۲۴۲ھ میں ولادت ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۸/ ربیع الاوّل ۲۶۰ھ میں وفات پائی، والدہ ماجدہ کا نام حدیث ہے، جوام ولد ہیں، ایک فرزند محمد المہدی شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے، بعمر چار سال غائب ہوگئے تھے، فرقہ اثناعشریہ کے نزدیک یہی مولود سعید امام منتظر وامام زمان مہدیٔ دوراں کے لقب سے ملقب ہیں۔

اللهم صل وسلم وبارک افضل صلوتک وسلامک وبرکاتک عدد معلوماتک و رضی نفسک علی سیدنا محمد وآله وأزواجه وأصحابه وصحابیاته واخوانه و رفقائه وأتباعه وسلم دائمًا أبدًا من الصلوةوالسلام و البرکة أفضلها وأکملها وأدومها . آمین !

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کی تفصیل:

سیدہ فاطمہ کی اولاد کرام کا ذکر اہل بیت نبوی ﷺ میں گذر چکا ہے، اب حضرت علی کی اولاد کا ذکر کیا جاتا ہے کہ دنیا میں اب فقط پانچ فرزند سے نسل جاری ہے: امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عمر اطراف اور عباس بن علی۔

عباس بن علی رضی اللہ عنہما میدان کربلا میں علم بردار امام ہمام تھے، ان کا خطاب سقائے اہل بیت بھی ہے، چونتیس سال کی عمر میں شہید ہوئے، ان کا بیٹا عبد اللہ اور عبد اللہ کا بیٹا حسن، اور حسن کے پانچ بیٹے ہیں، عبید اللہ، عباس الفصیح، حمزہ الاکبر، ابراہیم حروقہ اور فضل۔

عبید اللہ، قاضی الحرمین، کا بیٹا عبد اللہ اور عبد اللہ کے دو بیٹوں میں سے ہارون کی اولاد بنو ہارون کہلاتے ہیں، اور دوسرے بیٹے داؤد الاکبر کی اولاد بنو بدید کے نام سے مشہور ہیں اور یمن میں موجود ہیں۔

عباس الفصیح شاعر اور ہارون الرشید کا مقرب تھا، بعض نساب (نسب بیان کرنے والے) کہتے ہیں کہ صرف عبد اللہ ابن عباس الفصیح کی نسل سمرقند میں رہ گئی۔

حمزۃ الاکبر کی کنیت ابو القاسم تھی، ان کا چہرہ مبارک حضرت علی کے چہرۂ مبارک کے مشابہ تھا، مأمون نے اسے لاکھ روپیہ دیا تھا، ان کے فرزند علی اور علی کے فرزند محمد سے نسل جاری ہے۔

ابراہیم حروقہ ادیب، فقیہ اور امام تھے، ان کے تین فرزند ہیں: حسن، محمد اور علی؛ ہر ایک سے نسل جاری ہے۔

فضل کے تین بیٹے ہیں: جعفر، عباس الاکبر اور محمد۔ جعفر کا فضل سے نسب جاری ہے۔

عباس الاکبر کے چار فرزندوں سے نسل جاری ہے، اور محمد کے بیٹے ابو فضل الشاعر سے نسل جاری ہے۔

عمر اطراف بن علی رضی اللہ عنہما عباس کے برادر حقیقی ہیں، ستر سال کی عمر میں وفات پائی، بعض نے کہا کہ مصعب بن زبیر کی طرف سے مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے فرزند عمر ہیں، اور عمر کے بیٹے محمد کے چار فرزند ہیں: عبد اللہ، عبید اللہ، عمر اور جعفر۔ یہ تینوں فرزند یعنی عبد اللہ، عبید اللہ اور عمر از بطن خدیجہ بنت امام زین العابدین ہیں، جعفر از بطن ام ولد ہیں۔

عبد اللہ کے بیٹے قاسم کے چار فرزند ہیں: احمد، محمد، عیسی المبارک اور عیسی الصالح۔ ان میں محمد کے بیٹے قاسم ملقب ملک طالقان کی نسل ملتان میں پائی جاتی ہے، اور باقی سب کی نسل بھی جاری ہے۔

عبیداللہ کا بیٹا طیب اور طیب کے بیٹے علی سے بغداد اور اس کے نواح میں نسل جاری ہے۔

عمر کے بیٹے ابو اسماعیل کی نسل بلخ وخراسان میں ہے، اور دوسرا بیٹا ابراہیم ابوالحسن ہے۔

ابوالقاسم محمد بن حنفیہ، بن علی رضی اللہ عنہما کی والدہ خولہ ملقب حنفیہ قبیلہ حنفیہ بن لجیم سے ہیں، اس قبیلے نے عہدِ صدیقی میں ارتداد کیا تھا، یہ جنگ میں اسیر ہوکر آئیں اور حضرت علی مرتضی کو ملیں، ان کے بیٹے محمد بن علی ۲۱ھ خلافت فاروقی کے آٹھویں سال پیدا ہوئے، اور یکم محرم ۸۱ھ کو انتقال فرمایا، ان کے زہد وریاضت اور زورِ قوت کی حکایات مشہور ہیں، لشکرِ مرتضی کے علم بردار بھی ہوا کرتے تھے، شیعہ کے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امام حسین ؓ کے بعد امامت ملی، اور ایک فرقۂ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد ان کو امامت ملی ہے اور ہر دو فرقوں کا اعتقاد ہے کہ آئندہ امامت ان کی نسل میں چلے گی، مختار ثقفی جس نے قاتلانِ حسین سے سخت سخت انتقام لیے، خود کو انہی کا مختار بتلایا کرتا تھا، ابن الحنفیہ کا غلام کیسان ہے، وہ بھی ایک فرقہ کا امام ہے، کیسانیہ کا اعتقاد ہے کہ محمد بن علی المرتضی کوہِ رضوی میں رہتے ہیں، شیر اور پلنگ (چیتا) ان کے پہرہ دار ہیں، قربِ قیامت میں مہدی کے لقب سے وہی ظہور پذیر ہوں گے، محمد بن حنفیہ، بن علی مرتضی کی اولاد کی تعداد چوبیس ہے، جن میں چودہ نرینہ فرزند ہیں، جن میں سے تین سے نسل جاری ہے، ابو ہاشم کے بیٹے عبداللہ بزرگ تابعین میں سے تھے، اور جعفر بن محمد بن علی کا بیٹا یوم الحراء کو شہید ہوئے، ان کی کثیر اولاد موجود ہے، اور تیسرے علی بن محمد بن علی کا بیٹا ابو محمد، جن کے بیٹے علی کی کثیر اولاد موجود ہے، ابو محمد اور علی ہر دو کو کیسانیہ امام مانتے ہیں، باقی فرزندان حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ: عبداللہ، عون، یحیٰ اور عمر فرزند حبیبہ وغیرہ کے حالات نہیں ملے، ان کی اولاد کو علوی بھی کہتے ہیں۔

الحمد للّٰہ رب العالمین حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا

و صلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقه محمد و آله و أزواجه و أتباعه أجمعین !

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلحہ

تلواریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۹ رتلواریں تھیں، جن کے نام یہ ہیں۔ ماثور، العضب، قلعی، البتار، الحتف، الرسوب، المخزم اور ذوالفقار۔

زرہیں۔ ان کی تعداد سات تھی ذات الفضول لوہے کی زرہ تھی، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے پاس گروی رکھا تھا اور اس سے تین صاع غلہ اپنے عیال کے لئے قرض لئے تھے۔ اس کے علاوہ ذات الوشاح السوريه، ذات الحواشی ، فضه ،البترأ الخرنق تھیں۔

کمانیں۔ چھ تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ الزورأ، الروحاء، الصفراء، البيضاء اور شوخط۔

ڈھالیں۔ دو تھیں۔ الزاوق اور الفقق۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مساجد

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کی تعمیر پر بھی زور دیا تھا اور اس امر کی تاکید فرمائی کہ جو معلم ہو، وہ اپنے مقام پر عبادت کے لئے ایک مسجد فوراً تیار کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں بڑی بڑی آبادیوں میں کئی مساجد تھیں صرف مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ۹ مساجد تیار ہو چکی تھیں۔ جن میں علیحدہ علیحدہ پانچوں وقت کی نماز ہوتی تھی۔ مسجد بنو عمرو رضی اللہ عنہ، مسجد بنو ساعدہ، مسجد بنو عبیدہ، مسجد بنو رزیق، مسجد بنو سلمہ، مسجد بنو غفار، مسجد بنو اسلم، مسجد بنو بیاضہ، مسجد جہنیہ۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذنین

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار مؤذن تھے دو مدینہ طیبہ میں، بلال بن رباح رضی اللہ عنہ اور عمرو بن ام مکتوم قرشی العامری رضی اللہ عنہ نابینا۔ ایک قبا میں سعد القرظی رضی اللہ عنہ اور ابومحذورہ اوس بن مغیرہ بن حجمی مکہ میں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے جانور

﴿گھوڑے﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سات گھوڑے تھے اور کسی صفت خاص کی وجہ سے ان کے مختلف نام تھے۔ سکب، لحیف، شجا، ظرب، لزاز، مرتجز اور الورد۔

﴿خچر﴾ پانچ خچر تھے، ایک دلدل نامی جو مقوقس شاہ مصر نے، دوسرا نضّہ نامی فروۃ الجذامی نے، تیسرا صاحب ایلہ نے، چوتھا دومۃ الجندل کے حکمران نے، اور پانچواں نجاشی شاہ حبش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔

﴿گدھے﴾ تین تھے ایک یعفو (جو مقوقس شاہ مصر نے بھیجا تھا، دوسرا فروۃ الجذامی نے، اور تیسرا حضرت سعد بن عبادہ الخزرجی رضی اللہ عنہ نے ہدیۃً پیش کیا تھا۔

﴿اونٹ﴾ ان کی تعداد تین بتائی جاتی ہے جن میں ایک کا نام القصویٰ تھا۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی۔

﴿بکریاں﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں ایک صد بکریاں تھیں۔ سو سے زیادہ ہوتیں تو ان کو ذبح کر دیتے اور پوری صد رکھتے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد

۱۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ الاومی
﴿قریش مکہ کی جانب﴾

۲۔ حضرت عمرو بن امیہ الضمری
﴿نجاشی شاہ حبش کی جانب﴾

۳۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ
﴿ہرقل قیصر روم کی جانب﴾

۴۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ
﴿خسرو پرویز شاہ ایران کی جانب﴾

۵۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ الخمی رضی اللہ عنہ
﴿مقوقس شاہ مصر کی جانب﴾

۶۔ حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ
﴿حارث بن ابی شمر شاہ غسان کی جانب﴾

۷۔ حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ
﴿ہوزہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کی جانب﴾

۸۔ حضرت علاء بن العاص السہمی رضی اللہ عنہ
جیفر بن الجلندی اور عبد ابن الجلندی الازدی ﴿رئیسان عمان کی جانب﴾

۹۔ حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ
﴿منذر بن ساویٰ حاکم بحرین کی جانب﴾

۱۰۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ
﴿حارث بن کلال حمیری کی جانب﴾

۱۱۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری
﴿شاہ یمن کی جانب﴾

۱۲۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
﴿شاہ یمن کی جانب﴾

۱۳۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی
﴿دوالکلال الحمیری کی جانب﴾

۱۴۔ حضرت عیاش بن ربیعہ المخزومی
﴿حارث، مسروح اور نعیم بن عبدالکلال کی جانب﴾

۱۵۔ حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ
﴿بصریٰ کے حاکم کی جانب﴾

مقرر کردہ محصلین

وہ صحابہ کرام (علیہم الرضوان) جنہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل اور علاقوں کا انتظام سونپ دیا تھا، جو جزیہ، صدقات اور زکواۃ وغیرہ وصول فرمایا کرتے، ان کی تعداد سترہ ہے۔

۱۔ حضرت امام صفوان بن صفوان رضی اللہ عنہ
﴿بنوعمرو پر﴾

۲۔ حضرت امام ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ
﴿بنولیث پر﴾

۴۔ حضرت امام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
﴿بنوخزارہ پر﴾

۵۔ حضرت امام عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
﴿خیبر پر﴾

۶۔ حضرت امام عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ
﴿تیماء پر﴾

۷۔ حضرت امام عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ
﴿بنوطی و بنواسد پر﴾

۸۔حضرت امام بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ	۱۳۔حضرت امام عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ
﴿بنوغفار واسلم پر﴾	﴿بنوسلیم ومزینہ پر﴾
۹۔حضرت امام رافع رضی اللہ عنہ	۱۴۔حضرت امام قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ
﴿بنوجہینہ پر﴾	﴿بنوسعد پر﴾
۱۰۔حضرت امام بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ	۱۵۔حضرت امام ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
﴿حضرموت پر﴾	﴿نجران پر﴾
۱۱۔حضرت امام ابان بن سعید رضی اللہ عنہ	۱۶۔حضرت امام ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ
﴿بحرین پر﴾	﴿یمن پر﴾
۱۲۔حضرت امام عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۱۷۔حضرت امام عبداللہ بن لیث رضی اللہ عنہ
﴿مدینہ منورہ پر﴾	﴿بنوذیبان پر﴾

عمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (گورنر)

۱۔حضرت باذان بن ساسان رضی اللہ عنہ	۸۔حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ
﴿والیٔ یمن﴾	﴿والیٔ نجران﴾
۲۔حضرت شیر باذان رضی اللہ عنہ	۹۔حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ
﴿والیٔ صنعا﴾	﴿والیٔ تیما﴾
۳۔حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ	۱۰۔حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ
﴿والیٔ بحرین﴾	﴿والیٔ مکہ﴾
۴۔حضرت علی بن ابوطالب	۱۱۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
﴿والیٔ احماس، یمن﴾	﴿والیٔ جند﴾
۵۔حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ	۱۲۔حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ
﴿والیٔ صنعا﴾	﴿والیٔ مآرب﴾
۶۔حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی	۱۳۔حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ
﴿والیٔ کندہ﴾	﴿والیٔ حضرموت﴾
۷۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	
﴿والیٔ عمان﴾	

بیعت عقبہ اولیٰ کے چھ افراد

عقبہ کے مقام پر یثرب کے ان چھ افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام لائے۔

۱۔ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	۴۔قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہ
۲۔عوف بن حارث رضی اللہ عنہ	۵۔عقبہ بن عامر بن نابی رضی اللہ
۳۔رافع بن مالک رضی اللہ عنہ	۶۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی نقیب

ہجرت سے پہلے مدینے کے جن بارہ اصحاب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیب بنایا تھا ان میں نو خزرج کے تھے اور تین اوس کے اور یہ سب قبائل مدینہ کے رؤساء تھے۔

۱۔اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	۷۔سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ
۲۔ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ	۸۔منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ
۳۔سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ	۹۔براء بن معرور رضی اللہ عنہ
۴۔سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	۱۰۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
۵۔سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ	۱۱۔عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ
۶۔عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	۱۲۔رافع بن مالک رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام

ان کی تعداد کل ۶۶ ہے۔تاہم ثبوت کے ساتھ جو نام بندہ کو ملے وہ ۴۷ درج ذیل ہیں:

۱۔زید بن حارث ۲۔ابورافع اسلم ۳۔ثوبان ۴۔ابوکبشہ ۵۔شقران
۶۔رباح ۷۔یسار ۸۔مدغم ۹۔فلح ۱۰۔ابوموبہی ۱۱۔آنسہ
۱۲۔ضمیرہ بن ابی ضمیرہ
۱۳۔عبیداللہ بن اسلم ۱۴۔عبید بن عبدالغفار ۱۵۔فضالۃ الیمانی ۱۶۔ابوعسیب احمر ۱۷۔اسامہ بن زید
۱۸۔افلح
۱۹۔الیمن بن ام ایمن ۲۰۔زید بن بولا ۲۱۔سابق ۲۲۔سالم ۲۳۔سلمان فارسی
۲۴۔مہران ۲۵۔ابوعبدالرحمٰن ۲۶۔نافع
۲۷۔واقد ۲۸۔ابواثیلہ ۲۹۔ابوالحمراء ۳۰۔ابوسمیع
۳۱۔ابوعبید ۳۲۔خین ۳۳۔بدر ۳۴۔حاتم باذام ۳۵۔دوس
۳۶۔رویفع
۳۷۔سعد ۳۸۔سعید غیلان
۳۹۔کریب ۴۰۔محمد ۴۱۔ناہیہ ۴۲۔کحول ۴۳۔نہیک نفیع
۴۴۔وردان ۴۵۔ابوصنقیہ ۴۶۔ابوقبیلہ ۴۷۔ابوالقیط، وغیرہ وغیرہ کل ۶۶

(ابن جوزی۔تلقیح ص۱۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبان وحی

ان کی تعداد کل دس ہے۔

۱۔امام ابوبکر رضی اللہ عنہ	٦۔امام معاویہ رضی اللہ عنہ
۲۔امام عمر رضی اللہ عنہ	۷۔امام خالد بن سعید بن العاص الاسیدی رضی اللہ عنہ
۳۔امام علی رضی اللہ عنہ	۸۔امام بن سعید رضی اللہ عنہ
۴۔امام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۹۔امام خالد بن سعید بن العاص
۵۔امام زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ	۱۰۔امام علاء بن حضری، رضوان اللہ علیہم اجمعین (تلقیح ص ۳۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ

امام سعد بن ابی وقاص، امام سعد بن معاذ، امام عباد بن بشر، امام ابوایوب انصاری، امام ذکوان بن عبد قیس انصاری، امام محمد بن مسلمہ انصاری، امام بلال رضی اللہ عنہم (تلقیح ص ۳۸)

وہ لوگ جن کی شکل وصورت حضور ﷺ سے ملتی تھی

۱۔امام جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
۲۔امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ
۳۔امام قثم بن عباس رضی اللہ عنہ
۴۔امام ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ
۵۔امام سائب بن عبید رضی اللہ عنہ
٦۔امام مسلم بن مصعب رضی اللہ عنہ
۷۔امام کابس بن ربیعہ بن مالک السامی رضی اللہ عنہ (تلقیح ص ۳۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام

۱۔امام انس رضی اللہ عنہ۔آپ کے گھر میں کام کرتے تھے۔	۸۔امام بکیر رضی اللہ عنہ
۲۔امام ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ وضو کراتے تھے۔	۹۔امام اسود بن مالک رضی اللہ عنہ
۳۔امام ابن مسعود رضی اللہ عنہ جوتے پہناتے تھے۔	۱۰۔امام یمن رضی اللہ عنہ
۴۔امام عقبہ بن عمرو رضی اللہ خچر کی دیکھ بھال کرتے تھے۔	۱۱۔امام ثعلبہ رضی اللہ عنہ
۵۔امام بلال رضی اللہ عنہ	۱۲۔امام سالم رضی اللہ عنہ
٦۔امام سعد رضی اللہ عنہ	۱۳۔امام سابق رضی اللہ عنہ
۷۔امام عامر رضی اللہ عنہ	۱۴۔امام بلال بن حارث رضی اللہ عنہ اور ۲۵ دیگر مختلف کام کرتے تھے۔(کل ۳۹۔تلقیح ص ۱۷)

عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مفتی

ان کی تعداد چودہ ہے

۱۔امام ابوبکر رضی اللہ عنہ	۸۔امام معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
۲۔امام عمر رضی اللہ عنہ	۹۔امام عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ
۳۔امام عثمان رضی اللہ عنہ	۱۰۔امام حذیفہ رضی اللہ عنہ
۴۔امام علی رضی اللہ عنہ	۱۱۔امام زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
۵۔امام عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	۱۲۔امام ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
۶۔امام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۱۳۔امام سلمان رضی اللہ عنہ
۷۔امام عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۱۴۔امام ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (ایضاً ص ۳۲۵)

مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی:

۱۔حضرت سعد بن عبادہ الخزرجی رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ ابواء کے موقع پر﴾	۱۰۔حضرت سعد بن معاذ الاوسی رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ بواط کے موقع پر﴾
۲۔حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ عشیرہ کے موقع پر﴾	۱۱۔حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ سفوان کے موقع پر﴾
۳۔حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ بدر کے موقع پر﴾	۱۲۔حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ بنوسلیم کے موقع پر﴾
۴۔حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ سوقینقاع کے موقع پر﴾	۱۳۔حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ سویق کے موقع پر﴾
۵۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ بنوغطفان کے موقع پر﴾	۱۴۔حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ نجران کے موقع پر﴾
۶۔حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ احد کے موقع پر﴾	۱۵۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر﴾
۷۔حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ بدر الصغریٰ کے موقع پر﴾	۱۶۔حضرت سباح بن عرطفہ الغفاری رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ دومۃ الجندل کے موقع پر﴾
۸۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ بنومصطلق کے موقع پر﴾	۱۷۔حضرت ہنبلہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ خیبر کے موقع پر﴾
۹۔حضرت ابورہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ ﴿فتح مکہ کے وقت﴾	۱۸۔حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ ﴿غزوہ تبوک کے موقع پر﴾

نقشہ حالاتِ نکاح وعمر حضور ﷺ
وامہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نمبر شمار	نام ازواجِ مطہرات	سنہ نکاح	عمرِ ازواج وقتِ نکاح	مجموعہ عمر	سنہ وفات	مقبرہ	مدتِ خدمت	حضور کی عمر وقتِ نکاح
۱	حضرت خدیجہ الکبریٰ	سنہ ۲۵ میلاد النبی	۴۰ سال	۶۵ سال	سنہ ۱۰ نبوت	مکہ معظّمہ	۲۵ سال تقریباً	۲۵ سال
۲	حضرت سودہؓ	سنہ ۱۰ نبوت	۵۰ سال	۷۲ سال	سنہ ۱۹ھ	مدینہ منورہ	۱۴ سال	۵۰ سال
۳	حضرت عائشہؓ	نکاح ۱۰ نبوت اور زفاف ۲ھ	۹ سال	۶۳ سال	سنہ ۵۷/ ۵۸ھ ۱۷ رمضان	مدینہ منورہ	۹ سال	۵۴ سال
۴	حضرت حفصہؓ	شعبان سنہ ۳ھ	۲۲ سال	۵۹ سال	سنہ ۴۱ جمادی الاولیٰ	مدینہ منورہ	۸ سال	۵۵ سال
۵	حضرت امِّ سلمہؓ	۴/ ۵ھ	۲۰/ ۲۴ سال	۸۰/ ۸۴ سال	۵۹/ ۶۰ھ	مدینہ منورہ	۷/ ۸ سال	۵۵/ ۵۶ سال
۶	حضرت زینبؓ بنت جحش	۵ھ	۳۶ سال	۵۱/ ۵۲ سال	۲۰/ ۲۱ھ	مدینہ منورہ	۷/ ۸ سال	۵۶ سال
۷	حضرت جویریہؓ	۵ھ	۲۰ سال تقریباً	۶۵/ ۷۱ سال	۵۶ھ	مدینہ منورہ	۷ سال	۵۶ سال
۸	حضرت زینبؓ	۳ھ	۳۰ سال	۳۰ سال	۳ھ	مدینہ منورہ	۳ ماہ	۵۵ سال
۹	حضرت ام حبیبہؓ	۶ھ	۳۶ سال	۷۲ سال	۴۴ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۷ سال
۱۰	حضرت صفیہؓ	۷ھ	۱۷ سال	۵۰ سال	رمضان ۵۰ھ	مدینہ منورہ	تقریباً ۳ سال	۵۹ سال
۱۱	حضرت میمونہؓ	ذیقعدہ ۷ھ	۳۶ سال	۸۰ سال تقریباً	۵۱/ ۶۱ھ	سرف قریب	۳/ ۴ سال	۵۹ سال

نقشہ عمود نسب نبوی و انساب امہات المؤمنین کا اتصال

-	-	-	۲۰	معد بن عدنان	-	-	-	-	-
-	-	-	۱۹	نزار	-	-	-	-	-
-	-	-	۱۸	مضر	-	-	-	-	-
-	-	-	۱۷	الیاس	-	-	-	غیلان	-
-	-	-	۱۶	مدرکہ	-	-	-	قیس	-
-	-	-	۱۵	خزیمہ	-	-	-	خصفہ	-
-	-	-	۱۴	کنانہ	-	-	-	عکرمہ	-
-	-	-	۱۳	نضر	-	-	-	منصور	-
-	-	-	۱۲	مالک	-	-	-	ہوازن	-
-	-	-	۱۱	فہر	-	-	-	بکر	-
-	-	-	۱۰	غالب	-	-	-	معاویہ	-
عدی			۹	لوی			اسد	صعصعہ	-
زراح			۸	کعب		عامر	دودان	عامر	-
قرط	تیم		۷	مرہ		حل	غنم	ہلال	-
عبداللہ	سعد		۶	کلاب	ابو یقظہ	مالک	کثیر	عبداللہ	-
رباح	کعب		۵	قصی	مخزوم	نصر	مرۃ	رویبہ	-
عبدالعزیٰ	عمرو		۴	عبد مناف	عمرو	عبدود	صبیرہ	ہرم	عبد شمس
نفیل	عامر	عبدالعزیٰ	۳	ہاشم	عبداللہ	عبد شمس	یعمر	یجر	امیہ
خطاب	ابوقحافہ	اسد	۲	عبدالمطلب	مغیرہ	قیس	رباب	حزن	حرب
عمرؓ	ابوبکرؓ	خویلد	۱	عبداللہ	ابوامیہ	زمعہ	جحش	حارث	ابوسفیان صخر
حفصہؓ	عائشہؓ	خدیجہؓ		محمد رسول اللہ ﷺ	ام سلمہؓ	سودہؓ	زینبؓ	میمونہؓ	ام حبیبہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، ان چار عورتوں میں شمار ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے تمام دنیا وآخرت کی برگزیدہ فرمایا ہے، جاہلیت میں ان کا لقب ''طاہرہ'' تھا، مردوعورت سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشکلاتِ نبوت پر غور کرتے، تو یہ فرمایا کرتے: " لَقَدْ خشيت عَلٰى نَفسِي "، یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے، تو حضرت خدیجہ ہی نے تسلی دی اور مزید اطمینان کے لیے چچیرے بھائی نوفل کے پاس لے گئیں، اورنوفل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہ وہی ناموسِ اکبر ہے، یعنی جبریل ہیں جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آیا تھا، [کذافی البخاری] ان کا نکاحِ اول عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا تھا، اس سے چار اولاد ہوئیں۔

دوسرا نکاح ابوہالہ ہند بن نباش سے ہوا، جس سے ہالہ، طاہر اور ہند پیدا ہوئے، یہ تینوں صحابہ ہیں، ہالہ کے فرزند کا نام ہند تھا، وہ اپنے باپ سے روایت بھی رکھتے ہیں، اور طاہر بن خدیجہ کو حضور ﷺ نے ایک ربع یمن کا حاکم مقرر فرمایا تھا، وفات نبوی کے بعد یہی قبائل سب سے پہلے مرتد ہوئے تھے، طاہر نے ابوبکر صدیق کے حکم سے مسروق بن الاجدع کی معیت میں لشکر کشی کی اور فتح عظیم حاصل ہوئی، اور ہند بن خدیجہ حضور ﷺ کے ربیب (پرورده) ہیں، جنگِ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھے اور وہیں شہید ہوئے، اور یہی وصاف النبی مشہور تھے۔

پھر تیسرا نکاح حضور کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کی درخواست پر ہوا، بعدہٗ حضور فکر معیشت سے فارغ ہوکر ذکر وفکر ربانی میں مصروف ہوئے، اولاد پاک حضور ﷺ کا ذکر گذر چکا ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی والدہ شموس بنت قیس ہے، اور قیس برادر سلمیٰ زوجہ ہاشم جد النبی ﷺ ہے، گویا حضرت سودہ کی ننھیال نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال تھی، یہ خاتون سکران بن عمرو بن عبدوَدّ کے نکاح میں تھیں، یہ پہلے ایمان لائیں، بعدہٗ ان کی ترغیب سے سکران بھی مشرف باسلام ہوئے، پھر اپنے خاوند کے ساتھ اپنی والدہ سمیت حبشہ کی ہجرت کی، حبشہ میں سنہ ۱۰ نبوت میں سکران کا انتقال ہوا، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضور ﷺ سے ان کا نکاح ہوا، انہوں نے چند سال اپنا وقت حضرت عائشہ کو دے دیا، حضرت سودہؓ محاسنِ اخلاق ومکارم افعال میں ابتدا ہی سے معروف تھیں، ان سے پانچ احادیث مروی ہیں، ایک بخاری میں اور چار سنن میں، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، صدیقہ بنتِ صدیق، طیبہ زوجۂ طیب، حبیبہ حبیبِ الہ الارض والسماء ہیں، حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی ہیں، ان کی ماں کا نام ام رومان زینب ہے، جن کا سلسلۂ نسب، نسبِ نبوی سے کنانہ پر جا ملتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان بیان سے باہر ہے، ان ہی کی پاکیزگی میں سورۂ نور کی بہت سی آیتیں اتریں، اور ان کو طیبہ ٹھہرایا، اور انہی کے لحاف میں وحی اترتی تھی، انہی کی محبت کے لیے حضور ﷺ نے سیدۃ نساء العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا تھا[رواہ مسلم]، اور آیتِ تیمّم ان کے باعث نازل ہوئی[بخاری]، حضور اکرم ﷺ نے آیتِ اختیار پہلے انہی کو سنائی تھی اور انہوں نے سب سے پہلے اللہ و رسول اور آخرت کو اختیار کیا۔ (رواہ البخاری)

معانی قرآن شریف، احکام حلال وحرام، اشعار عرب اور علم الانساب میں فائق تھیں[مدارج النبوت]، علم نبوت کی اشاعت زیادہ تر انہی سے ہوئی، دو ہزار دو سو دس حدیثیں ان سے مروی ہیں، فتاویٰ شرعیہ، حل مشکلات علمیہ، بیان روایات عربیہ اور واقعات تاریخیہ ان کے علاوہ ہیں۔ جنگِ جمل میں ان سے شریک ہونے کی غلطی ہوئی، جنگ کے خاتمے کے بعد فرماتیں کہ: میری اور علی کی شکررنجی ایسی ہے جیسے عموماً بھاوج اور دیور میں ہو جایا کرتی ہے، حضرت علی نے فرمایا: بخدا! سچی بات یہی ہے۔ اور یہ واقعۂ جنگ حادثۂ اتفاقیہ تھا، ہر ایک فریق یوں سمجھتا تھا کہ ابتدا دوسری جانب سے ہوئی، اور مدافعت کا حملہ ہوا۔[کتاب الفصل فی الملل: ۴/ ۱۵۸، مطبوعہ مصر]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ام رومان کا انتقال رمضان ۶ھ میں ہوا؛ نبی ﷺ ان کی قبر میں خود اترے تھے، حضرت عائشہ نے ۶۳؍سال کی عمر میں ۱۷؍رمضان ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں استراحت فرمائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، پہلے خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی السلمی کی منکوحہ تھیں، خنیس سابقین مہاجرین میں سے ہیں، اول ہجرتِ حبشہ، بعدہٗ ہجرتِ مدینہ طیبہ کی، بدر واحد میں زخمی ہوکر مدینہ میں وفات پائی، بعد ازاں نبی ﷺ نے حضرت حفصہ سے نکاح فرمالیا، حضرت حفصہ کی ولادت پانچ سال قبل از بعثت ہے، حضرت حفصہ کی مرویات کل ساٹھ ہیں، عبداللہ بن عمران کے برادر شفیق ہیں، حضرت عمر کی نسل سے خواجہ فریدالدین گنج شکر، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ ابوالخیر اور ضیاء معصوم نزیل چار باغ کابل وغیرہم - رحمہم اللہ تعالیٰ دائماً - ہیں۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ام المساکین حضرت زینب بنتِ خزیمہ، جاہلیت میں ان کا لقب ام المساکین تھا، ان کا نکاح اول طفیل سے اور دوسرا عبیدہ سے ہوا، یہ دونوں حضور اکرم ﷺ کے عم زاد بھائی ہیں، ان کا تیسرا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا جو کہ حضور اکرم ﷺ کے عم زاد بھائی ہیں، جنگ احد میں شہید ہوئے، پھر حضور ﷺ سے نکاح ہوا، دو یا تین ماہ زندہ رہیں، ماں کی جانب سے یہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا، نہایت قدیم الاسلام ہیں، ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی منکوحہ تھیں، جو حضور ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں، اور ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب حضور اکرم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں، ام سلمہؓ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر بمعہ شوہر مکہ شریف واپس ہوئیں، پھر مکرر ہجرت پر ابوسلمہ کے گھر والوں نے ان کے بیٹے سلمہ کو روک لیا اور ام سلمہ کو بھی جانے نہ دیا، ایک سال تک روتی رہیں، عثمان بن طلحہ، کلید بردار حرم کو ان کی بے کسی پر رحم آیا، مدینہ منورہ کے قریب پہنچا کر واپس چلا گیا، ابوسلمہؓ جنگ بدر میں شریک ہوئے، اور جنگ احد میں زخمی ہو کر جمادی الاخریٰ ۳ھ میں وفات پائی، بعدہٗ حضور ﷺ نے ام سلمہ سے نکاح کرلیا، اور ان کے بچے عمر اور سلمہ اور لڑکیاں زینب اور درہ زیرِ تربیت حضور ﷺ ہوئے، عمر بن ابوسلمہ ۲ھ میں پیدا ہوئے، حضرت علی کی جانب سے فارس اور بحرین کے حاکم رہے، ۸۳ھ میں وفات پائی، سلمہ بن ابی سلمہ کے ساتھ امامہ بنت امیر حمزہ کا نکاح ہوا، عبدالملک کے عہد میں وفات پائی، زینب بنتِ ابی سلمہ کا نکاح عبداللہ بن زمعہ بن الاسود الاسدی سے ہوا، بہت فقیہ تھیں، یوم الحرہ میں ان کے دونوں بیٹے مارے گئے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام رملہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہے، ان کی ماں صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہے، ان کا پہلا شوہر عبیداللہ بن جحش تھا، جو عیسائی بن گیا تھا اور اسی حالت میں مر گیا، پھر شاہ حبشہ نجاشی نے چار سو دینار مہر پر حضور ﷺ کا نکاح پڑھا اور آپ کو مدینہ شریف بھیج دیا، ۴۴ھ میں وفات پائی، مرویات کتب میں کل ۱۶۵/ اَحادیث ہیں، ان کے سگے بھائی یزید الخیر ہیں، اور حضرت معاویہ ان کے علاتی (باپ شریک) بھائی تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، آپ کی والدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب حضور ﷺ کی پھوپھی ہیں؛ یہ پہلے زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں، زید نے طلاق دے دی، جس کا قصہ قرآن شریف میں ہے، پھر رسم ضالہ کے دفع کرنے کے لیے حضورِ اکرم ﷺ سے نکاح ہوا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا، غزوۂ مریسیع میں اسیر ہوکر آئیں، ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوئی، یہ حارث بن ابی ضرار سیدِ قوم کی بیٹی تھیں، ان کی مرویاتِ احادیث ۷/ ہیں۔

حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

ام المؤمنین صفیہ بنت حی بن اخطب بن شعبہ، سبطِ ہارون علیہ الصلاۃ والسلام سے ہیں، رضی اللہ عنہا، ان کا پہلا نکاح کنانہ ابی العقیق سے ہوا تھا، وہ جنگِ خیبر میں مارا گیا، یہ اسیر ہوکر آئیں، پھر حضور ﷺ سے نکاح ہوا، کل مرویات ۹/ ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا، یہ پہلے ابی رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، اس سے پیشتر حویطب بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، ۷ھ میں بیوہ ہوگئیں، پھر حضور ﷺ وعلیٰ ازواجہ واولادہ واتباعہ وسلم سے نکاح ہوا، ان کی کل مرویات ۶۷ ہیں۔

تمت الحمد لله رب العالمين حمدًا كثيرًا طيبًا
فأصلي عليكم بالتسليم
متحفا عند حضرت الصمد
بعدد الرمال و الأنفاس
و النبات الكثير منتضد
و على الال كلهم أبدًا
بالغا عند منتهى الأمد

(معارفِ بہلوی: ص/۳۷۳ تا ۴۲۴)

۞۞۞۞۞

سیرتِ نبوی ﷺ ماہ وسال کے آئینے میں
سیرت النبی ﷺ کے اہم واقعات ہجری وعیسوی تقویم کی روشنی میں

شمار	واقعه	سن ہجری	سن عیسوی
۱	قوم سبا (عربوں) کی یمن پر حکومت کا آغاز	1465ق ھ	800ق م
۲	ایرانی بادشاہ بہرام بن ہرمُز بن شاپور نے "مانی" کو قتل کیا	356ق ھ	276ء
۳	حمیریوں کی حکومت قائم ہوئی	332ق ھ	300ء
۴	یمن کا دورانحطاط اور عربوں کی نقلِ مکانی	291ق ھ	340ء
۵	حبشیوں کا یمن پر قبضہ	291ق ھ	340ء
۶	"سیل عرم" عرم کا سیلاب جس سے مآرب کا بند ٹوٹ گیا	177 یا 178ق ھ	450ء یا 451ء
۷	"مزدک" کا ظہور	148ق ھ	478ء
۸	اصحاب الاخدود کا واقعہ	102ق ھ	523ء
۹	ابرہہ کی کمان میں حبشیوں کا یمن پر دوبارہ قبضہ	100ق ھ	525ء
۱۰	مزدک کا قتل	96ق ھ	529ء
۱۱	ابرہہ الاشرم کی کعبۃ اللہ پر لشکر کشی	عام الفیل یا 53 سال ق ھ	571ء
۱۲	ولادت رحمت دو جہاں ﷺ	عام الفیل 9/12 ربیع الاول	20/23 اپریل
۱۳	واقعہ شقِ صدر	ولادت کے تیسرے سال	574ء
۱۴	معدیکرب بن سیف بن ذی یزن کی قیادت میں اہلِ یمن حبشی غلبے سے آزاد ہوئے	48ق ھ	575ء
۱۵	والدہ کی وفات	عمر مبارک کے چھٹے سال	577ء
۱۶	دادا کی وفات	عمر مبارک آٹھویں سال	579ء
۱۷	شام کا پہلا سفر	عمر مبارک کے بارہویں سال	583ء
۱۸	چچا زبیر کے ساتھ تجارتی سفر	تیرھویں یا چودھویں سال	584ء
۱۹	جنگ فجار	عمر مبارک کے پندرہویں سال	586ء

۲۰	جنگ فجار کا اختتام اور حلف الفضول	عمر مبارک کے بیسویں سال	591ء
۲۱	سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	عمر مبارک پچیسویں سال	595ء
۲۲	حجراسود کے تنازعے کا فیصلہ	عمر مبارک کے پینتیسویں سال	605ء
۲۳	غارِ حرا میں عبادت وریاضت	عمر مبارک کے چالیسویں سال	610ء
۲۴	بعثت نبوی ﷺ	عمر مبارک کے اکتالیسویں سال، ۲۱ر رمضان المبارک	۱۲ر فروری 610ء
۲۵	علانیہ تبلیغ کا آغاز	۴ر نبوی	614ء
۲۶	دارِ ارقم کی ابتدا	۵ر نبوی	614ء
۲۷	ہجرتِ حبشہ	رجب ۵ر نبوی	615ء
۲۸	قصۂ غرانیق اور حبشہ سے واپسی	شوال ۵ر نبوی	615ء
۲۹	حضرت حمزہ وعمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام	۶ر نبوی	616ء
۳۰	حبشہ کی دوسری ہجرت	نبوت کے چھٹے سال	616ء
۳۱	شعبِ ابی طالب میں مسلمانوں کا محاصرہ	محرم ۷ر نبوی	617ء
۳۲	شعبِ ابی طالب کے محاصرے سے خروج	محرم ۱۰ر نبوی	اکتوبر 618ء
۳۳	وفات ابوطالب	رجب ۱۰ر نبوی	مارچ 619ء
۳۴	وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	رمضان ۱۰ر نبوی	مئی 619ء
۳۵	حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شوال ۱۰ر نبوی	مئی 619ء
۳۶	طائف روانگی	شوال ۱۰ر نبوی	مئی/ جون 619ء
۳۷	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	شوال ۱۰ر نبوی	جون 619ء
۳۸	اہلِ یثرب سے بنوخزرج کے لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت	ذوالحجہ ۱۱ر نبوی	اگست 620ء
۳۹	اسراء ومعراج اور نماز کی فرضیت	اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ہجرت سے ۱۶ مہینے پہلے، ہجرت سے ایک سال ۲ ماہ پہلے، ہجرت سے ایک سال پہلے۔	

۴۰	پہلی بیعت عقبہ	ذوالحجہ ۱۲ر نبوی	جولائی 621ء
۴۱	ہجرت مدینہ کا آغاز (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ہجرت)	ذوالحجہ ۱۲ر نبوی	جولائی 621ء
۴۲	دوسری بیعت عقبہ	ذوالحجہ ۱۳ر نبوی	جولائی 622ء
۴۳	دارالندوہ میں قریش کا اجتماع	۲۶ر صفر ۱۴ر نبوی	۱۲ر ستمبر 622ء
۴۴	ہجرتِ نبوی ﷺ	۲۷ر صفر ۱۴ر نبوی	۱۳ر ستمبر 622ء
۴۵	غارِ ثور سے روانگی	یکم ربیع الاول یکم ہجری	۱۶ر ستمبر 622ء
۴۶	قباء میں تشریف آوری	۸ر ربیع الاول یکم ہجری	۲۳ر ستمبر 622ء
۴۷	مدینہ میں داخلہ	۱۲ر ربیع الاول یکم ہجری	۲۷ر ستمبر 622ء
۴۸	مسجد نبوی کی تعمیر کی ابتداء	۱۹ر ربیع الاول یکم ہجری	۱۲را کتوبر 622ء
۴۹	میثاقِ مدینہ	ار ہجری	622ء
۵۰	مسلمانوں میں بھائی چارہ	یکم ہجری	622ء
۵۱	سریہ سیف البحر (ساحل سمندر کی مہم)	رمضان ار ہجری (ساتویں ماہ)	623ء
۵۲	فرضیتِ جہاد	۱۲ر صفر ۲ر ہجری	۱۶را گست 623ء
۵۳	غزوۂ ابواء (ودّان)	صفر ۲ر ہجری	اگست 623ء
۵۴	رَضویٰ کے علاقے میں غزوۂ بُواط	ربیع الاول ۲ر ہجری	ستمبر 623ء
۵۵	غزوۂ سفوان (بدرِ صغریٰ)	ربیع الاول ۲ر ہجری	ستمبر 623ء
۵۶	غزوۂ ذی العُشیرہ	جمادی الآخرہ ۲ر ہجری	نومبر، دسمبر 623ء
۵۷	سریۂ نخلہ	رجب ۲ر ہجری	جنوری 624ء
۵۸	تحویلِ قبلہ	۱۷ر شعبان ۲ر ہجری	۱۳ر فروری 624ء
۵۹	فرضیتِ روزہ، زکوۃ اور فطرانہ	۲ر ہجری	۱۳ر مارچ 624ء
۶۰	رابغ کی جانب عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی جنگی مہم	ہجرت کے آٹھویں ماہ شوال میں یا ربیع الاول ۲ر ہجری میں	اپریل/ستمبر 623ء
۶۱	اسلام اور نبی اسلام کی ایذا دینے والی عصماء بنت مروان کا قتل	ہجرت کے انیسویں ماہ	مارچ 624ء
۶۲	غزوۂ بدر	۱۷ر رمضان ۲ر ہجری	624ء

۶۳	رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش	جنگ بدر کے بعد تقریباً انیسویں ماہ	مارچ 624ء
۶۴	ابوعفک منافق کا قتل	ہجرت کے بیسویں ماہ	624ء
۶۵	غزوۂ بنوقینقاع اوران کی جلاوطنی	شوال ۲رہجری	مارچ، اپریل 624ء
۶۶	کُدر کے مقام پرغزوۂ بنی سلیم وغطفان	شوال ۲رہجری	اپریل 624ء
۶۷	غزوۂ سویق	ذوالحجہ ۲رہجری	مئی 624ء
۶۸	غزوۂ قرقرۃ الکدر	محرم الحرام ۳رہجری	جون/ جولائی 624ء
۶۹	غزوۂ ذی امر	۱۲ر ربیع الاول	جولائی 624ء
۷۰	کعب بن اشرف یہودی کا قتل	۱۴ر ربیع الاول ۳رہجری	۵رستمبر 624ء
۷۱	غزوۂ بُحران یا غزوۂ فُرع	جمادی الاولیٰ ۳رہجری	اکتوبر/نومبر 624ء
۷۲	سریۂ قردہ یا سریۂ زید بن حارثہ	جمادی الآخرہ ۳رہجری	نومبر 624ء
۷۳	غزوۂ اُحد	۱۵رشوال ۳رہجری	اپریل 625ء
۷۴	غزوۂ حمراء الاسد	۱۶رشوال ۳رہجری	اپریل 625ء
۷۵	حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے شادی	۳رہجری	625ء
۷۶	زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے شادی	رمضان المبارک ۳رہجری	625ء
۷۷	سریۂ ابوسلمہ	محرم الحرام ۴رہجری	جون 625ء
۷۸	سانحۂ رجیع وبئرِ معونہ	صفر ۴رہجری	جولائی 625ء
۷۹	غزوۂ بنی نضیر	ربیع الاول ۴رہجری	اگست 625ء
۸۰	غزوۂ نجد	جمادی الآخرہ ۴رہجری	اکتوبر 625ء
۸۱	غزوۂ بدر دوم	شعبان ۴رہجری	جنوری 626ء
۸۲	ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شوال ۴رہجری	626ء
۸۳	غزوۂ ذات الرقاع	غزوۂ خیبر کے بعد یا غزوۂ بنو نضیر کے بعد یا غزوۂ خندق کے بعد ۴رہجری، محرم ۵رہجری۔	

۸۴	غزوۂ دُومۃ الجندل	۲۵ ربیع الاول ۵ ہجری	۲۴ اگست 626ء
۸۵	جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی	شعبان ۵ ہجری	626ء
۸۶	غزوۂ خندق (احزاب)	شوال ۵ ہجری	فروی/مارچ 627ء
۸۷	زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی	یکم ذوالقعدہ ۵ ہجری	627ء
۸۸	غزوۂ بنوقریظہ	ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۵ ہجری	مارچ/اپریل 627ء
۸۹	ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ رضی اللہ عنہا سے شادی	غزوۂ قریظہ کے بعد	627ء
۹۰	غزوۂ بنی المصطلق اور واقعۂ اِفک	شعبان ۵ ہجری	دسمبر/جنوری 626ء/627ء
۹۱	ایک اعرابی کا واقعہ جو آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا، پہرے کا واقعہ اور جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا واقعہ	یہ سب واقعات غزوۂ ذات الرقاع کے بعد کے ہیں۔	
۹۲	سریہ عبداللہ بن عتیک (قتلِ ابورافع)	ابن سعد کے نزدیک رمضان ۶ ہجری، طبری کے نزدیک جمادی الآخرۃ ۳ ہجری۔ اسی طرح ذو الحجہ ۵ ہجری، ۴ ہجری، اور رجب ۳ ہجری کے مختلف اقوال ہیں۔	
۹۳	سریہ محمد بن مسلمہ اور ثمامہ کا قبولِ اسلام	۱۰ محرم ۶ ہجری	یکم جون 627ء
۹۴	غزوۂ بنی لحیان اور عُسفان میں خالد بن ولید کی قیادت میں قریش کی ایک جماعت سے ٹکراؤ اور صلاۃ خوف کا نزول	ربیع الاول/جمادی الاولیٰ ۶ ہجری	627ء
۹۵	عیص کے علاقے میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کارروائی	جمادی الاولیٰ ۶ ہجری	ستمبر 627ء
۹۶	دومۃ الجندل میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شعبان ۶ ہجری	دسمبر 627ء
۹۷	فدک میں علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شعبان ۶ ہجری	دسمبر 627ء
۹۸	بنوفزارہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی جنگی کارروائی		
۹۹	عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یُسیر بن رزام یہودی کے خلاف کارروائی	شوال ۶ ہجری	فروری 628ء

۱۰۰	عُرینہ کے خلاف کُرز بن جابر کی کاروائی	شوال ٦ ر ہجری	فروی 628ء
۱۰۱	رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش اور ابوسفیان کے قتل کے لیے عمرو بن امیہ ضمری کا سفر		
۱۰۲	سریۂ سیف البحر	بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے، بعض نے رجب ۸ر ہجری بتایا ہے	فروری 628ء یا اکتوبر 629ء
۱۰۳	غزوۂ ذی قرد	شعبان ٦ ر ہجری	دسمبر 627ء
۱۰۴	عمرہ اور صلح حدیبیہ	ذوالقعدہ ٦ ر ہجری	مارچ 628ء
۱۰۵	بادشاہوں کے نام خطوط کا آغاز	ذوالحجہ ٦ ر ہجری	اپریل 628ء
۱۰٦	غزوۂ خیبر	محرم ۷ر ہجری	مئی 628ء
۱۰۷	ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان بن حرب رضی اللہ عنہا سے شادی	ان کی شادی کی تاریخ معلوم نہیں، البتہ حبشہ سے ۷ر ہجری میں حرم نبوی میں آئی تھیں	628ء
۱۰۸	صفیہ بنت حُیَی نضیریہ رضی اللہ عنہا سے شادی	خیبر کی فتح کے بعد ۷ر ہجری میں	628ء
۱۰۹	تُربہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی کاروائی	شعبان ۷ر ہجری	دسمبر 628ء
۱۱۰	نجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کاروائی	شعبان ۷ر ہجری	دسمبر 628ء
۱۱۱	فدک میں بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی کاروائی	شعبان ۷ر ہجری	دسمبر 628ء
۱۱۲	میفعہ میں غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کاروائی	رمضان ۷ر ہجری	جنوری 629ء
۱۱۳	جناب علاقے میں بشیر بن سعد کی کاروائی	شوال ۷ر ہجری	فروری 629ء
۱۱۴	عمرۂ قضاء	ذوالقعدہ ۷ر ہجری	مارچ 629ء
۱۱۵	میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے شادی	ذوالقعدہ ۷ر ہجری، عمرۂ قضاء کے بعد	629ء
۱۱٦	اخرم بن ابی عوجاء سلمی کی کاروائی	یکم صفر ۸ر ہجری	جون 629ء
۱۱۷	عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام	صفر ۸ر ہجری	جون 629ء
۱۱۸	کدید میں غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کاروائی	صفر ۸ر ہجری	جون 629ء
۱۱۹	فدک میں بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی شہادت گاہ کی طرف غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تادیبی کاروائی	صفر ۸ر ہجری	جون 629ء

۱۲۰	ذاتِ اَطلاح میں قضاعہ کے ساتھ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی	ربیع الاول ۸ر ہجری	جولائی 629ء
۱۲۱	بنو عامر کے علاقے السّی میں شجاع بن وہب کی کاروائی	ربیع الاول ۸ر ہجری	جولائی 629ء
۱۲۲	مدین کی جانب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کاروائی	یہ واقعہ موتہ سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے	629ء
۱۲۳	جنگ مُوتہ	جمادی الاولیٰ ۸ر ہجری	ستمبر 629ء
۱۲۴	سریہ ذات السلاسل	جمادی الآخرۃ ۸ر ہجری	اکتوبر 629ء
۱۲۵	غابہ کی طرف ابن ابی حَدرَد کی کاروائی	شعبان ۸ر ہجری	629ء
۱۲۶	بطنِ اِضم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی کاروائی	یکم رمضان ۸ر ہجری	دسمبر 629ء
۱۲۷	فتح مکہ مکرمہ	۱۹ر۲۰ر رمضان ۸ر ہجری	630ء
۱۲۸	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کنانہ کے بنو جذیمہ کی طرف روانگی	شوال ۸ر ہجری	جنوری 630ء
۱۲۹	ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ کی یلملم کی طرف اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وادیٔ عرنہ کی طرف روانگی	شوال ۸ر ہجری	جنوری 630ء
۱۳۰	غزوۂ حنین	۱۱ر شوال ۸ر ہجری	یکم فروری 630ء
۱۳۱	جنگ اوطاس	شوال ۸ر ہجری	جنوری 630ء
۱۳۲	ذوالکفین کے خلاف طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی کاروائی	شوال ۸ر ہجری	جنوری 630ء
۱۳۳	غزوۂ طائف	شوال ۸ر ہجری	630ء
۱۳۴	کعب بن زہیر کا قبولِ اسلام	شوال ۸ر ہجری میں طائف سے واپسی پر	630ء
۱۳۵	عاملینِ زکوۃ کی روانگی	محرم ۹ر ہجری	630ء
۱۳۶	عُیینہ بن حِصن رضی اللہ عنہ کی بنو عنبر کے خلاف کاروائی	محرم ۹ر ہجری	630ء
۱۳۷	قُطبہ بن عامر کی تبالہ میں کاروائی	صفر/ربیع الاول ۹ ہجری	630ء
۱۳۸	قُرطاء میں ضحاک رضی اللہ عنہ کی کاروائی	ربیع الاول ۹ر ہجری	630ء
۱۳۹	عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی مہم	تقریباً ربیع الآخر ۹ ہجری	630ء

۱۴۰	علی رضی اللہ عنہ کی "فُلس" بنو طے کے بت کے خلاف کارروائی اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام	ربیع الآخر ۹ ہجری	630ء
۱۴۱	عام الوفود	۹ ہجری	630ء-631ء
۱۴۲	غزوۂ تبوک (یا غزوۃ العسرۃ)	رجب ۹ ہجری	631ء
۱۴۳	ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج	۹ ہجری	631ء
۱۴۴	ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی یمن روانگی	۱۰ ہجری	631ء
۱۴۵	جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ذوالخلصہ کی طرف روانگی	۱۰ ہجری	631ء
۱۴۶	حج کی فرضیت	۱۰ ہجری، ۹ ہجری یا ۶ ہجری	
۱۴۷	حج کے سفر کا آغاز	۲۴/۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ ہجری	631ء-632ء
۱۴۸	حجۃ الوداع	ذوالحجہ ۱۰ ہجری	632ء
۱۴۹	جیش اسامہ کی تیاری	صفر ۱۱ ہجری	631ء
۱۵۰	مرض الموت کا آغاز	صفر ۱۱ھ کا آخر یا ربیع الاول کی ابتدا	632ء
۱۵۱	وصال مبارک	۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری	632ء
۱۵۲	تجہیز و تکفین	۱۳ ربیع الاول ۱۱ ہجری	632ء
۱۵۳	تدفین	۱۴ ربیع الاول ۱۱ ہجری	632ء
۱۵۴	عمر مبارک	۶۳ سال بحساب قمری	تقریباً ۶۱ سال شمسی

(سیرتِ نبوی ﷺ: ص/۸۰۱ تا ۸۱۰)

بحمد اللہ تم

مصادر ومراجع

اسماء کتب	اسماء کتب
قرآن مجید	دلائل النبوۃ للبیہقی
صحیح بخاری، بیروت	دلائل النبوۃ لابی نُعیم
فتح الباری، دارالسلام الریاض، وقدیمی	مجمع بحارالانوار
عمدۃ القاری، کوئٹہ	کشاف اصطلاحات الفنون
شرح صحیح مسلم اردو	عجالہ نافعہ مع شرح فوائد جامعہ
صحیح مسلم، بیروت وقدیمی	سیرت النبی ﷺ
تکملۃ فتح الملہم، بیروت	سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اوران کے مؤلفین
ترمذی، بیروت وقدیمی	فن سیرت نگاری پرایک نظر، ماہنامہ فکرونظر اپریل
شمائلِ ترمذی	سیرت محمد ابن ہشام
شرح العلل للترمذی	مختصر سیرۃ الرسول
نسائی	محاضرات سیرت ﷺ
مؤطاامام مالک	تعمیر افکار سیرت نمبر
ابوداؤد	السیرۃ النبویۃ اہمیتہا اقسامہا مقاصد دراستہا
ابن ماجہ	سیرتِ نبوی ﷺ دکتور مہدی رزق اللہ احمد، مکتبہ دار
مسند احمد	السلام، الریاض
مشکوۃ شریف	طبقات ابن سعد
مستدرک حاکم	تاریخ بغداد
معجم کبیر طبرانی	مصادرالسیرۃ النبویۃ وتقویمہا للدکتور فاروق احمد حمادہ
معجم اوسط طبرانی	ابن خزیمہ
اساس البلاغۃ	تقریب التہذیب
تاج العروس	سبل الہدی والرشاد
نقوش رسول ﷺ	زادالمعاد
موقع نبی الاسلام ﷺ	معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ

مقدمۃ التحقیق لتاریخ خلیفہ بن خیاط للدکتور العمری
البدایۃ والنہایۃ
الکفایۃ فی علم الروایۃ
المقصد الأرشد فی ذکر أصحاب الإمام أحمد
سیر أعلام النبلاء
اشرف التفاسیر
ملفوظات حکیم الامت
حاشیہ سلیمانی
کمالات اشرفیہ
علم الکلام جدید
حیات جاوید
الکلام
السیرۃ عالمی، شمارہ:۱،۳،۱۱،۱۸
الاصابہ
جامع المسانید
مسند ابی اور المسند الجامع
جوامع السیرۃ
سیر اعلام النبلاء للذہبی
الخصائص الکبریٰ، شیخ جلال الدین سیوطی
تواریخ حبیب الٰہ
الکلام المبین فی آیات رحمۃ للعالمین
مواہبِ لدنیہ
خیر الاذکار
مصباح اللغات
المعجم الاعظم
السیرۃ النبویۃ فی ضوء مصادرھا الاصلیۃ
حیاتِ محمد ﷺ، محمد حسین ہیکل
سیرت المصطفیٰ ﷺ، علامہ ادریس کاندھلوی
نبیٔ رحمت ﷺ، پیش لفظ، سید ابوالحسن ندوی
پیغمبر اعظم وآخر ﷺ، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
ملخصاً از ''السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ''، مضمون دکتور اکرم ضیاء العمری
سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ، محمد سلیمان منصور پوری
معارف بہلوی
صحیح السیرۃ النبویۃ لابن طرہونی
السیرۃ النبویۃ لابن حبان
السیرۃ الشامیۃ
صحیح السیرۃ النبویۃ طرہونی
الشمائل المحمدیۃ للترمذی، قدیمی
الطبقات الکبریٰ
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام
تاریخ دمشق الکبیر
الروض الأنف
فقہ السیرۃ النبویۃ للبوطی
قراءۃ جدیدۃ للسیرۃ النبویۃ للدکتور قلعجی
نشر الطیب فی ذکر الحبیب ﷺ
بہشتی زیور عکسی اختری
شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب
الشفاء
اردو دائرہ معارف اسلامیہ
المنجد فی اللغۃ
انھا النبوۃ

☆......☆......☆

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک، ہدایات نبویہ کی روشنی میں

مولانا رضوان الدین صاحب معروفی
شیخ الحدیث جامعہ اکل کوا

حق تعالیٰ نے اس عالم کون ومکان میں بے شمار مخلوقات پیدا فرمائیں۔اوران میں انسان کوایک ممتاز اور باعزت مقام عنایت فرمایا،ارشادربانی ہے'' ولقد کرمنا بنی ادم ''ہم نے بنی آدم کوعزت وتکریم کی بلندیوں پرفائز فرمایا،مخلوقات کی دنیامیں یہ مکرم ومعزز مخلوق انسان کے نام سے جانی اور پہچانی گئی،انسان کا انسان نام رکھنے میں ایک عام اور ہمہ وقتی ہدایت چھپی ہوئی ہے کہ دیکھ اے انسان تو انسان ہے،تو انسانیت کے کردار پیش کرنا کہیں اپنی سطح سے نیچے گر کر تو حیوانیت کے زمرہ میں شامل نہ ہوجانا۔

انسانیت کیا ہے:۔

لفظ انسان انس سے ماخوذ ہے،اورانس پریم محبت، ہمدردی شفقت اورمروّت جیسے معانی وحقائق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، پس ایک انسان اپنے ظاہری تشخص سے لیکر اندر کے جذبات تک ان مذکورہ صفات کا پیکر ہونا چاہیے،جس کسی میں یہ صفات نہ ہوں،اس کے لیےاس لفظ کا اطلاق ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا۔

اورصحیح اور سچی بات تو یہ ہے کہ انسان اس روئے زمین پراللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے،اوراللہ کی ذات رحمان ورحیم ہے، جوسراپا محبت ورحمت سے تعبیر ہے،پس اللہ یہ چاہتا ہے کہ میرا خلیفہ(یعنی انسان) بھی اپنی پوری رحمتوں محبتوں کا عنوان بن کر زندگی گزارے اوراپنے ہرقول وعمل سے اسی نوع کے پھل و پھول اگائے۔تا کہ عالم میں کسی کوکسی سے کوئی تکلیف،صدمہ وغم رونج والم نہ پہنچے،اور یہ دنیا راحت وسکون الفت ومحبت کا گہوارہ بن جائے۔

''بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد کسے را با کسے کارے نباشد''

چنانچہ یہی خوشگوار ماحول بر پا کرنے اور پھراس کو برقرار رکھنے کے لیے خالق ارض وسماء نے قوانین کا ایک مجموعہ عطا فرمایا ہے، جس کواسلام کیا جاتا ہے، یہ قوانین اللہ کی کتاب قرآن مجیداوراللہ کے رسول سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ میں مکمل جمع کردیئے گئے اوراس کی تکمیل کا اعلان بھی کردیا گیا﴿ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** ﴾(آج میں نے تمہارادین مکمل کردیا اوراپنی نعمت پوری پوری اتاردی اور میں نے تمہارے لیےاسلام کو پسند کرلیا)

اسلام کیا چاہتا ہے؟

اسلام بار بار اپنی ہدایات کے ذریعہ متنبہ کرر ہا ہے کہ اے ابن آدم تو رحم و مروّت کا پیکر بن کر جینا سیکھ، محبت والفت، ہمدردی اور غمخواری کے جذبات سے اپنے اندرون کو آباد رکھ، تیری سیرت تیرے کردار سے رحم دلی کا مظاہرہ ہو، تیرا سینہ سنگ دلی اور شقاوت سے پاک ہو، تو اپنے ابناءِ نوع کے ساتھ وہ سلوک کر کہ تیرا بڑے سے بڑا دشمن بھی تیری انسانیت کی شہادت دے، ظلم وعدوان سے تیرا دامن پاک ہو، تجھ میں عفو و درگزر کی صفت ہو، جذبات سے کھیلنا تیرا کام نہ ہو، ٹینشن وغصہ پر قابو ہو، صبر وثبات کا دامن نہ چھوٹے، اور معاشرہ میں محبت ورحمت کی خوشبو پھیلاتا رہے، قرآن نے ایسے ہی باکمال انسانوں کے تعارف میں کہا ہے۔

وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة (اہل ایمان کی پہچان یہ ہے کہ) وہ ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے ہیں، اور دوسروں پر رحم کے ساتھ پیش آنے کی تاکید کرتے ہیں۔

آیت کریمہ میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ پہلے صبر کا حکم دیا، پھر ہمدردی کا، صبر کا حاصل تو یہ ہوگا کہ دوسروں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرو کہ صبر کرو بلکہ ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرو، نیز اس میں مفعول کو محذوف کر دیا گیا اور یہ نہیں بتایا کہ کس کے ساتھ یہ مقابلہ کرنا۔ تفسیری اصول کے مطابق اس سے عموم کا معنی مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم صبر ورحم صرف اپنوں کے ساتھ نہیں بلکہ ہر ایک کے ساتھ ہونا چاہیے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنا ہو یا پرایا، دوست ہو یا دشمن۔ اور صرف یہی نہیں کہ محض انسانوں کے ساتھ ہی یہ ہمدردی دکھائی جائے، بلکہ حیوانوں تک کے حقوق کی طرف بھی اسلام نے توجہ دلائی ہے۔ ایک چیونٹی سے لیکر شیر ہاتھی جیسے بڑے بڑے جانوروں تک ان میں سے کسی کو بھی تکلیف دینا جائز نہیں رکھا۔ آخر یہی نکتہ تو سمجھانا مقصود تھا کہ آپ ﷺ نے پچھلی قوموں کے دو واقعے صحابہ کو سنائے کہ ایک آدمی نے بلی پالی مگر اس کو بھوکا رکھ کر اس کو تکلیف پہونچائی اللہ تعالیٰ نے اس کے جہنمی ہونے کا فیصلہ فرمادیا، اور ایک دوسرے شخص نے باوجود گنہگار ہونے کے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دیا اللہ نے اس کو جنت عطا فرمادی۔

الغرض اسلام اپنی اسی بنیادی روح کے تحت انسانی حقوق کے مختلف جزوی پہلوؤں نگہداشت کی خصوصی تاکید کرتا ہے۔ مثلاً والدین، اعزاء واقرباء، احباب ورفقاء، پڑوسی، پردیسی، چھوٹے بڑے ہر ایک کے متعلق مستقل احکام دیتا ہے کہ کوئی کسی کو اپنی خودغرضی، مفاد پرستی اور ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا سکے۔ اور یہاں بطور خاص جو چیز

قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ اسلام نے اپنے اس ہمدردانہ سلوک اورمروت ومحبت میں مذہب کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ بلاتفریق مذہب وملت ہرفرد انسان کو یہ حقوق عطا کئے ہیں خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔قرآن عزیز نے غیرمسلم والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنے کا اہل ایمان کو مکلّف بنایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه وهنا علی وهن وفصٰله في عامین ان اشکرلی ولوالدیک' اليّ المصیر، وان جاهدک علی ان تشرک بی ما لیس لک به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنیا معروفا...... ﴾(لقمن:۱۴، ۱۵)

ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دوسال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے،اس لیے ہم نے اسے وصیت کی کہ تم میرا بھی شکر ادا کرو اوراپنے والدین کا بھی،میری ہی طرف پلٹ کرآنا ہے اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ مان اوران کے ساتھ معروف کے مطابق اپنا برتاؤ رکھ۔

اس آیت کے تحت فقہاء نے کہا ہے کہ آدمی کے والدین چاہے مسلمان ہوں یا کافر ان کا نان ونفقہ اس پرواجب ہے،علامہ مرغینانی فرماتے ہیں کہ ''و لیس من المعروف ان یعیش في نعم الله تعالی ویترکهما یموتان جوعا'' یعنی یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ خود تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور والدین کو بھوکا چھوڑ دے۔(ہدایہ:ج۲/۴۲۵)

غیرمسلم والدین کے ساتھ حسنِ سلوک:

علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:والآیة دلیل علی صلة الابوین الکافرین مهما امکن من المال ان کانا فقیرین والانة القول والدعاء إلی الإسلام برفق''.

(الجامع لأحکام القرآن: ج۱۴ ص ۶۵)

آیت دلیل ہے اس بات کی کہ کافرماں باپ کے ساتھ مال کے ذریعہ ممکن حدتک صلۂ رحمی کی جائے گی اگر وہ محتاج ہوں اوران کے ساتھ گفتگو میں ملاطفت برتی جائے گی اوراسلام کی طرف نرمی سے انہیں دعوت دی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی ہے اس کا

ثبوت حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے مشہور واقعہ سے ملتا ہے۔ فرماتی ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے بعد جب امن قائم ہو گیا) میری ماں جو مشرک تھیں مجھ سے ملنے آئیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو۔ (بخاری کتاب الہبۃ باب الہدیۃ للمشرکین۔ مسلم کتاب الزکاۃ باب فضل النفقۃ علی الاقربین)

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور تحفہ گوہ، پنیر اور مکھن لائی تھیں لیکن حضرت اسماء نے انہیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینے اور ان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ ان کا تحفہ قبول کرلیں اور اپنے گھر بھی آنے دیں۔

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک:

اسلام نے اپنی اس اخلاقی انسانی تعلیم کا دائرہ آگے بڑھاتے ہوئے قیدیوں کے ساتھ بھی اپنی محبت و ہمدردی دکھائی ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جب کہ قیدی کا معاملہ اس اعتبار سے بڑا نازک اور صبر آزما ہوتا ہے کہ عین غیظ وغضب کے ماحول میں وہ گرفتار کر کے لایا جاتا ہے۔ نفس اس کے ساتھ ہر قسم کی سختی تنگی اذیت وتکلیف پر آمادہ ہوتا ہے مگر ایسے موقع پر بھی اسلام نفس کی حوصلہ افزائی کے بجائے نفس کشی کرتے ہوئے ان کے ساتھ انسانی شرافتوں کے برتنے کا حکم دیتا ہے اور ایسا حسن سلوک کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے......

﴿ **ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا ، انما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاء ولا شکورا، انا نخاف من ربنا یومًا عبوسًا قمطریرًا** ﴾ (الدھر:۸،۱۰)

اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی خواہش اور طلب کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، تم سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طالب نہیں ہیں، ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جو سخت مصیبت والا اور طویل ہوگا۔

اس آیت میں اسیر کا ذکر ہے، اور اسیر کے متعلق ابن عباسؓ فرماتے ہیں:...... **الأسیر من اهل الشرک یکون في ایدیهم**۔ اسیر (قیدی) وہ ہے جو مشرکین میں سے ہو اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی انسانیت اور خوش خلقی اور رحم ومروّت کا خوگر بنانے کے لیے بے شمار مواقع پر اپنے فرمودات میں صحابہؓ کو بلکہ پوری انسانیت کو اس پر متنبہ فرمایا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین

تلامذہ صحابہ رضی اللہ عنہ عنہم اجمعین نے بھی اسی روش کا خود کو خوگر بنایا، اور کبھی کبھی کسی بھی نازک سے نازک موقع پر بھی کسی بھی انسانی قدر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجروح نہیں ہونے دیا، بلکہ ہر موقع پر اپنے حسن کردار کے ذریعہ ان کو حیات انسانی کے لطف سے ہمکنار کیا۔

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کے چند نمونے

مدینہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے گرفتار کر کے لائے گئے دشمن قیدیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا، دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۱) جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنائے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، پھر اس نصیحت پر کس انداز میں عمل کیا گیا اس کا ذاتی تجربہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز بن عمیر کی زبانی سنئے۔

وہ اس جنگ میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کے علم بردار تھے، فرماتے ہیں کہ انہیں بعض انصار کے حوالے کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا ان پر یہ اثر تھا کہ صبح وشام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے، ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو مجھے دیدیتا، اُسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس سے مجھے شرم سی محسوس ہوتی تھی، یہ جنگ بدر کا ذکر ہے اور قیدیوں کے ساتھ بھی یہی مہذب اور شریفانہ رویّہ اختیار کیا گیا۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتى بالاسير فيدفعه الى بعض المسلمين فيقول احسن اليه فيكون عنده اليومين والثلاثة فيوثره على نفسه**
(زمخشری، الكشاف عن حقائق التنزيل: ۱۹٦/۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کسی مسلمان کے حوالہ کر دیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے، یہ قیدی اس کے پاس دو، تین رہتا اور وہ مسلمان اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا۔

(۲) جنگ بدر کے قیدیوں ہی کے سلسلہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں سہیل بن عمرو کے اگلے دانت توڑ دوں تاکہ اس کی زبان باہر نکل آئے اور وہ پھر کہیں

آپ کے خلاف اپنی خطاب کا مظاہرہ نہ کرسکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں (اس طرح کی) سزا دوں تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی سزا دے سکتا ہے گو کہ میں نبی ہوں، اور ایک روایت میں ہے، ممکن ہے کہ کل وہ کسی ایسی حیثیت میں ہو جو تمہارے لیے ناگوار نہ ہو۔ (ابن ہشام، سیرۃ النبي: ۲/۲۶۰،۲۶۱)

(۳) حاتم طائی کی بیٹی قیدیوں کے ساتھ دربارِ نبوی میں لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ہمدردی و محبت اور حسن سلوک کا وہ مظاہرہ کیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود مسلمان ہوئیں بلکہ اپنے بھائی عدی بن حاتم کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا، دنیائے اخلاق کا یہ روشن اور تاریخ ساز واقعہ ابونعیم نے اپنی حلیہ میں ابن اثیر نے اسدالغابہ میں ابن حجر نے اصابہ میں اور علامہ حلبی نے اپنی سیرت میں یوں تحریر فرمایا:

یمن میں ایک قبیلہ آباد تھا جو طیٔ کے نام سے موسوم تھا، اس قبیلہ کی سربراہی مشہور زمانہ سخی حاتم طائی کے ہاتھوں چلی آرہی تھی، حاتم اور اس کا قبیلہ مذھباً نصرانی تھا، ظہور اسلام سے قبل ہی یہ شخص وفات پاچکا تھا، اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے عدی جانشین بنے، ۹ھ میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سا اسلامی لشکر اس قبیلہ کی طرف بت پرستی سے روکنے اور اسلام کی دعوت دینے کے لیے روانہ فرمایا: جس کا امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنایا، اس مہم کی تکمیل پر جب لشکر مدینہ منورہ واپس آیا تو جو قیدی گرفتار کر کے لائے گئے، ان میں حاتم طائی کی بیٹی ''سفانہ'' بھی تھی، یہ بڑی ہوشیار، باعزت باوقار خاتون تھی، اس کو اپنی فراست سے معلوم تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا خلیق و حلیم انسان اگر اس کے سامنے اپنی مراد رکھی جائے تو کبھی محرومی نہ ہوگی، چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر عرض کیا، **يا محمد ارأيت أن تمن علي ولا تفضحني في قومي ......**

وفي رواية يا محمد أرأيت ان تخلي عنا ولا تشمت بنا أحياء من العرب فإني ابنة سيد قومي وإن أبي كان يحمي الدمّار ويفک العان ويشبع الجائع ويكسو العاري ويقري الضيف ويطعم الطعام ويفتي السلام ولم يرد طالب حاجة قط ...... وإن ابنة حاتم طئ. فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم يا جارية هذه صفة المومنين حقًا لو كان أبوک مسلمًا لترحمنا عليک خلوا عنها فإن أباها كان يحب المكارم.

وفي رواية قالت يا رسول الله هلک الوالد، وغاب الوالد فامنن علي من الله عليک قال من وفدک قالت عدي بن حاتم قال الفار من الله ورسوله، قالت ثم مضى رسول الله صلى الله عليه وسلم......

اے محمد! میری درخواست کہ آپ مجھ پر احسان فرمائیں اور مجھے میری قوم میں رسوا ہونے سے بچالیں، اے محمد کاش آپ مجھے معاف فرمادیتے اور قبائل عرب کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیتے، میں قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، ننگوں کو کپڑا پہناتا تھا، مہمانوں کی ضیافت کرتا تھا، لوگوں کو کھانا تقسیم کرتا تھا، سلام کو عام کرتا تھا، کسی بھی حاجت مند کو واپس نہیں لوٹاتا تھا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں – اس کی فریاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بچی! تم نے تیرے باپ کی جو صفات بتلائی ہیں یہ تو مخلص مؤمنین کی صفات ہیں، اگر تمہارے والد مسلم ہوتے تو ہم ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو رہا کردو، اس لیے کہ اس کے والد اچھے اخلاق کو پسند کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنی فریاد میں یہ مضمون پیش کیا تھا، یارسول اللہ! میرے والد کا ہو چکا ہے میرا کوئی رہائی دلانے والا نہیں ہے میرا سہارا مجھ سے غائب ہو چکا ہے، آپ ہی مجھ پر احسان فرمادیں، آپ ﷺ نے پوچھا تیرا وہ سہارا کون ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی عدی بن حاتم جو اس وقت جوشیہ (شام میں ایک مقام کا نام ہے) میں ہے۔ آپ نے فرمایا عدی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے، اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں سنایا، پھر دوسرے روز بھی اسی انداز کی گفتگو ہوئی مگر ابھی بھی اس کی رہائی کے متعلق خاموشی رہی، پھر حضرت علی کے مشورے سے تیسرے دن اس نے درخواست پیش کی، آج آپ ﷺ نے اس کی درخواست کو منظور فرماتے ہوئے اس کی رہائی کا اعلان فرمایا: بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہیکہ اس کی درخواست سے متاثر ہو کر دوسرے تمام قیدیوں کو بھی آزاد کردیا۔

سفانہ اپنے بھائی کے پاس واپس جانا چاہتی تھی آپ نے فرمایا ابھی عجلت نہ کرو تیرے قبیلہ کا کوئی قابل اعتماد آجائے تو اس کے ساتھ چلی جانا، چنانچہ قبیلہ بلی اور قضاء کے کچھ لوگ آئے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی جب یہ آپ کے پاس رخصت ہونے لگی تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو آدمی بیٹی کے ساتھ کیا کرتا ہے، چنانچہ وہ بیان کرتی ہے۔

قدم ركب من بلى فاتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قدم رهط من قولي قالت فكساني رسول الله صلى الله عليه وسلم وحملني واعطاني نفقة فخرجت حتى قدمت الشام على اخى عدى بن حاتم. (اسد الغابه: سيرت حلبيه)

بلی قبیلہ کا ایک وفد آیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری جماعت کا ایک وفد آیا ہوا ہے، جانے کی اجازت چاہتی ہوں چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے اجازت دی اور مجھے لباس، سواری، اور زادراہ عطا فرمایا، اس طرح میں اپنے بھائی عدی کے پاس عزت وعافیت کے ساتھ ملک شام پہنچی۔

اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ سفانہ اپنے بھائی کے پاس واپس پہنچ کر پہلی فرصت میں بڑی حکمتِ عملی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا تعارف کرا رہی ہے، اور بھائی کو آپ ﷺ کی خدمتِ مبارکہ میں حاضر ہونے کی دعوت دے رہی ہے اس پر لطف اور نصیحت آمیز واقعہ کو اس کے بھائی عدی خود ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

ایک دن جوشیہ میں ہمارے گھر کے سامنے ایک سانڈنی آ کر رکی محمل میں ایک نقاب پوش عورت بیٹھی تھی، مجھے شک گزرا کہ میری بہن ہے، لیکن پھر خیال آیا کہ اسے تو مسلمان اسیر کر کے لے گئے ہیں، وہ اس میں شاندار انداز میں کیسے آ سکتی ہے، معاً محمل کا پردہ اٹھا اور یہ الفاظ میرے کان میں پڑے، قاطعِ رحم تف ہے تجھ پر، اپنے اہل وعیال کو لے آئے اور مجھ کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا، بہن کی باتیں سن کر میں سخت شرمندہ ہوا، اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معافی مانگی، بہن خاموش ہوگئی، پھر سواری سے اتر کر جب کچھ دیر آرام کر چکی تو میں نے پوچھا، تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، صاحب قریش سے مل کر تم نے کیا رائے قائم کی؟ بہن نے جواب دیا، جس قدر جلد ہو سکے تم ان سے ملو اگر وہ نبی ہے تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف وسعادت ہے، اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کا کوئی فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ایک بادشاہ سے ملنے میں سبقت بھی تمہاری قدر ومنزلت کا وسیلہ ہوگی''۔

سفانہؓ کے مشورہ کے مطابق حضرت عدیؓ مدینہ پہنچ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، ان کے بعد سفانہؓ بھی سعادت اندوزِ اسلام ہوگئی۔ (تذکرہ صحابیات: ص۵۱۲، ۵۱۳)

یہی وہ اسلامی اخلاق تھے جن کے سبب دشمنان جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے پر مجبور ہوئے اور مذہب اسلام کو دنیا کا سب سے پیارا مذہب سمجھنے لگے، اور اس مذہب کے داعی ومبلغ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا انسان ماننا اور ان کی غلامی کو اپنانا۔ انمول سرمایہ تصور کرنے لگے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس قدر اخلاقی قدریں اور انسانی شرافتیں ہو سکتی ہیں، وہ ساری کی ساری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اکمل طور پر موجود تھیں۔ اس لیے آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے سراپا رحمت اور سراپا خلق حسن بنا کر بھیجا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وإنک لعلی خلق عظیم ''بلاشبہ آپ عظیم اخلاق کے مالک ہیں، نیز فرمایا: ''وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین''، ہم نے آپ کو سارے عالم والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ آپ کی اس رحمت عامہ سے کائنات کی ہر شئ کو فیض پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔

ملائکہ، جن و بشر، حیوانات، نباتات، جمادات حتی کہ زمان و مکان، بر و بحر غرضیکہ تمام ہی عالم کی تمام ہی موجودات آپ کی رحمت کی سایہ فگن ہے۔ اور سب سے بڑے کمال کی بات انسان میں یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے پرایوں اور دشمنوں کو بھائیوں اور دوستوں کی سی محبت دینے لگے، اس اہم گھاٹی پر پہنچ کر بڑے بڑے مردانِ کار زیر ہو جاتے ہیں۔

(۴) مگر قربان جایئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جس وقت آپ سرزمین طائف میں اہل طائف کے نوجوانوں کے ہاتھوں پتھر کھا کر خون سے لت پت شکستۂ خاطر ہو کر اپنے مالک کی طرف متوجہ ہیں عین اسی مظلومیت اور رنج و حزن کی انتہا کے عالم میں آسمان سے پہاڑ کے فرشتے آ کر عرض کرتے ہیں اے اللہ کے حبیب! اگر آپ کہیں تو ہم ان ظالموں کو انہیں پہاڑوں کے بیچ پیس کر رکھ دیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحمۃ للعالمینی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ؎

میں ان کے حق میں کیوں قہرِ الٰہی کی دعا مانگوں — بشر ہیں بے خبر ہیں کیوں تباہی کی دعا مانگوں
دعا مانگی، الٰہی قوم کو چشمِ بصیرت دے — الٰہی رحم کر ان پر، انہیں نورِ ہدایت دے
جہالت نے ہی رکھا ہے صداقت کے خلاف ان کو — بچارے بے خبر انجان ہیں کر دے معاف ان کو
فراخی ہمتوں کو روشنی دے ان کے سینوں کو — کنارے پر لگا دے ڈوبنے والے سفینوں کو
الٰہی فضل کر کہسار طائف کے مکینوں پر — الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

یہ اور اس نوع کے دوسرے آپ کی حیات مبارکہ کے واقعات آپ کی اخلاقی بلندی کی دلیل اور **انک لعلی خلق عظیم** او **" وما أرسلناک الا رحمة للعالمین** کی صداقت و حقانیت پر بین ثبوت ہیں۔

☆......☆......☆

دوسری قسط:

شمس العلما شبلی نعمانی اور سرسید احمد خاں کے افکار

نبوتِ محمدی اور سیرتِ نبوی کے حوالہ سے

حکیم فخر الاسلام مظاہری، علیگ (ایم، ڈی)

نیت پر شبہ نہیں، لیکن طرز استدلال اور طریقۂ اصلاح میں فساد ہے:

نیت پر کسی کے کیوں کر شک کیا جا سکتا ہے، سیرت کے باب میں سید امیر علی کی خدمت کچھ کم باوقعت نہیں ہے، ''لائف اوف محمد'' اور ''اسپرٹ آف اسلام'' کے نام سے موسوم ان کی کتابیں، اس دعوی کے ثبوت کے لیے بے نظیر ہیں؛ لیکن حالی کی اس بات کو غلط کہنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ''اسلام کی خدمت کرنے میں اور اس کی خوبیاں یوروپین قوموں پر ظاہر کرنے میں بھی، انہوں نے سرسید کا پورا پورا اتباع کیا ہے۔'' (حیاتِ جاوید ص:۱۶۱)

سرسید کی نیت کے متعلق مولانا تھانویؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں: کہ ''گو ہم ان کے مخالف ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ جیسے ان کے عیوب کو ہم ظاہر کرتے ہیں، ویسے ہی اگر ان میں کوئی خوبی ہو تو اس کو بھی ظاہر کر دینا چاہیے ؎

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو — نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند

یہ ارشاد فرمانے کے بعد خیر خواہِ مسلمانانِ ہند کی خوبی اور خامی دونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سرسید امور دنیا میں بڑے عاقل اور مسلمانوں کے محبّ اور بہت خیر خواہ تھے، بس ان میں قلت دین کا عیب ضرور تھا، لیکن بہت سی خوبیاں بھی تھیں گو اس عیب نے سب خوبیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔'' (محاسن اسلام: ص۳۹)

اس لیے مسلمانوں کے محبّ اور خیر خواہ کی نیت پر شبہ کرنے کی تو کوئی وجہ نہیں، لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ خدمتِ اسلام کے باب میں، ان کا طریقۂ کار کیا تھا۔ سرسید اور شبلی کی تحریریں پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دو حضرات نے طرزِ استدلال اور طریقہ اصلاح تو قدیم معتزلہ اور جدید یورپ سے لیا ہے، سرسید کے متعلق حالی اور شبلی دونوں نے صراحت کی ہے کہ ''اسٹیل اور اڈیس نے دو میگزین یعنی ٹیٹلر اور اسپیکٹیٹر ۱۷۰۹ سے ۱۷۱۳ تک لندن سے جاری کیے۔ سرسید کا طرز ان دونوں اڈیٹروں اور تہذیب الاخلاق کا طرز ان کی میگزینوں اور لوتھر اور کالون کی مذہبی اصلاحوں کے طریق پر تھا۔'' (حیات جاوید ص۱۶۴)

سرسید نے قومی ہمدردی کے جدید بنیادی کلیدی نقطۂ نظر کے تحت اصلاحی اصول مارٹن لوتھر سے حاصل کیے، یہی وہ شخص ہے جس نے اجتہاد کو ہر شخص کے لیے عام کردینے کی تحریک چلائی، ڈاکٹر ظفر حسن لکھتے ہیں: ''مارٹن لوتھر نے فرد کو تفسیر بالرائے کی پوری آزادی دے دی اور دینی معاملات میں ہر قسم کے استناد سے انکار کردیا، اس کے مطابق ''ہر آدمی کو حق پہنچتا ہے کہ براہ راست خدا کا کلام پڑھے اور اپنی فہم کے مطابق اسے سمجھے۔'' (جدیدیت:ص۴۱) ہندوستان میں یہی کام سرسید نے کیا۔

یہ تو جدید اہل فطرت یا فطریین سے اثر پذیری تھی، رہا قدیم معتزلہ سے فکری اکتساب، اس کے متعلق پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں اور صحیح لکھتے ہیں کہ ''سرسید کے نزدیک حالاتِ زمانہ اور مقتضیاتِ عصر کی بنا پر معتزلہ کے اصول وافکار زیادہ قابل قبول ہی نہیں بلکہ مفیدتر و بہتر ہیں''۔

لیکن پھر وہ سرسید کے حوالہ سے شاہ ولی اللہ اور امام غزالی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ''سرسید نے زمانہ حال کے مطابق ان (دونوں اماموں کو اور ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور احیاء العلوم۔ف) کو کامل نہیں سمجھا، اس لیے کہ جدید تحقیقات آ گئی ہیں، جن سے وہ (شاہ ولی اللہ اور امام غزالی۔ف) ناواقف تھے۔ سرسید کی فکر پر تو گفتگو چل ہی رہی ہے، لیکن بطورِ جملہ معترضہ کے پروفیسر موصوف کی جناب میں، اپنے اس استعجاب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہا جاتا کہ، یہ کیسی حیرت کی بات ہے کہ جدید تحقیقات سے قدیم معتزلہ کے افکار پر تو فرسودگی کا اثر نہ پڑا۔ اور شاہ ولی اللہ اور امام غزالی پر ناواقفیت اور فرسودگی سبھی ظلمتیں طاری ہو کر رہیں۔ مقام غور ہے کہ امام غزالی، معتزلہ قدیم کے مقابلہ میں کسی قدر جدید ہیں اور شاہ ولی اللہ تو جدید تر ہیں، وہ تو نیوٹن کے زمانہ کے ہیں۔ پھر معتزلہ کیسے بابصیرت نکلے کہ جدید تحقیقات کیسی ہی بدل بدل کر آتی چلی گئیں، وہ معتزلہ کی تحقیقات، تاویلات بلکہ معنوی تحریفات تک کے مفیدتر و نافع تر ہونے کا ثبوت دیتی چلی گئیں۔

اور کچھ نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ معتزلہ یعنی عربی نیچریوں کے اصول وافکار اور جدید مغربی اہل فطرت کے اصول وافکار میں متعدد موقعوں پر ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اگر چہ بعض افکار کے نام بدل دینے سے اور جدید نام رکھ دینے سے وہ اٹل کیوں نہ سمجھے جاتے ہوں، لیکن درحقیقت ان میں فساد وخرابی ویسی ہی ہے، جیسی معتزلہ کے افکار میں ہے۔

اس لیے قدیم معتزلہ اور جدید اہلِ فطرت کی فکر کے حاملین کی صرف نیت اچھی ہونے اور ملت کے حق میں مخلص ہونے سے کام کا درست ہونا، عندالناس مفید ہونا اور عنداللہ مقبول ہونا لازم نہیں آتا۔ اس بنا پر ذیل کا تبصرہ نہایت عبرت خیز ہے، جناب سہیل احمد صاحب لکھتے ہیں:

''ان دونوں بزرگوں (سرسید اور حالی۔ف) کی نیت خواہ کتنی ہی نیک رہی ہو؛ مگر ان کے افکار کسی ٹھوس علمی بنیاد سے محروم تھے، انہیں خود پتہ نہ تھا کہ جن تصورات وہ اٹل حقائق سمجھ رہے تھے، ان کے زمانہ کی مغربی تہذیب کے متروکہ ردی مواد سے زیادہ نہ تھی اور اسے زمانہ کی ہوا نے جلد ہی ہباءً منثوراً کر دیا'' کیوں کہ بعد کی تحقیقات سے خود مغربی اصول بھی بدلتے چلے گئے۔''ف'' (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت از ڈاکٹر ظفر حسن)

اصل بات یہ ہے کہ ہندوستان میں سرسید نے نیچریت کا جو بیج بویا، اس سے عقیدہ میں فساد اور سخت بگاڑ پیدا ہوا، اگر چہ حالی، شبلی اور پروفیسر یٰسین مظہر وغیرہ سرسید کو مصلح اور خاتم المصلحین قرار دیتے ہیں۔

حالی لکھتے ہیں: ''سرسید...... کو قوم کا پولیٹکل، سوشل اور لٹریری ریفارم کہا جا سکتا ہے، لیکن اس مقام پر ریفارمیشن سے ہماری مراد قوم کے مذہبی خیالات کی اصلاح ہے۔'' (حیاتِ جاوید: ص ۵۱۳) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اصلاح، جس طرح سرسید کے ذریعہ موجودہ آزادی کے دَور میں ہو سکتی تھی، اس سے ماقبل ادوار میں ممکن نہ تھی کیوں کہ ''جو ضرورتیں اسلام کو موجودہ زمانہ میں پیش آئیں، ان سے وہ بزرگ بالکل بے خبر تھے، اس کے سوا ممالک اسلامیہ میں علماء اسلام کو یہ آزادی نہ تھی کہ بادشاہِ وقت کے مذہب کے خلاف کوئی بات بے باکانہ زبان سے نکال سکیں؟'' (حیات جاوید: ص ۵۱۴) مزید لکھتے ہیں کہ: ''حکومت وقت کے خوف سے ہی ''امام غزالی نے چند ضروری باتوں کے سوا اشاعرہ کے اصول سے اختلاف نہیں کیا''۔ (ص ۵۱۸)

حالی کی ان تحریروں سے معلوم ہوا کہ اب تک بزرگانِ سلف کے متعلق حق گوئی و بے باکی اور کَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کے افضل جہاد کے حاملین کے حوالہ سے، جو واقعات وحالات آپ کے سنے ہوئے ہوں، ان کی حیثیت محض افسانہ سمجھئے، سرسید حالی اور شبلی کی صراحت کے مطابق تو یہ لوگ کتمانِ حق کے مجرم ٹھہرتے ہیں، سطور ذیل سے یہ حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے۔

سرسید کا کارنامہ شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علماء سلف سے اب تک عام طور پر کسی کو اس بات کے کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ خاص اسلام کی تعلیم، قرآن مجید اور حدیث صحیح میں منحصر ہے، باقی جو کچھ ہے وہ اسلام کی

حقیقت سے خارج ہے، نہ اسلام اس کا جوابدہ ہے اور نہ مسلمان اس پر اعتقاد رکھنے کے مکلّف ہیں۔'' (ص ۵۱۵)

گویا سلف سے وہ نہ ہوسکا جو سرسید نے کر دکھایا، پھر اس جدید دور میں قرآن وحدیث کے متعلق سرسید کی معنوی تحریفات اور دوراز کار تاویلات کی سند ذکر کرتے ہوئے، جناب الطاف حسین حالی مزید لکھتے ہیں کہ: ''قرآن مجید میں جو آیتیں یا الفاظ اب تک ایسے موجود ہیں، جن کی نسبت بقول شاہ ولی اللہ کے یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ ان کے حقیقی معنی مقصود ہیں یا مجازی، اگر یہ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ ان (آیات متشابہات) کے معنی متعین کرنے کا وقت اب آ پہنچا ہے، تو اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ فوراً یہ پردہ اٹھا دیا جائے اور جو معنی اصول عربیت کے موافق ایسے قرار پائیں، جن سے کوئی اعتراض جو قدیم تفسیروں پر وارد ہوتا ہے رفع ہو جائے، تو بلا تامل وہی معنی اختیار کئے جائیں، اگرچہ تیرہ سو برس میں کسی مفسر نے وہ معنی نہ لکھے ہوں۔''

اس سے پہلے حالی نے شاہ ولی اللہؒ کی ایک عبارت پیش کی ہے، پھر اس سے معنی اخذ کرنے اور نتیجہ نکالنے میں تلبیس سے کام لیا ہے۔ کیا عرض کیا جائے کہ حالی شبلی اور سرسید کے ہاں اکابر وسلف کا حوالہ دینے میں اس قسم کی تلبیسات ایسی سخت ہوتی ہیں کہ جن کا کوئی حد وحساب نہیں۔ شاہ صاحب نے اپنی عبارت میں تو یہ قید لگائی ہے کہ، قرآن وسنت میں ایسے مجازی معانی جو حقیقت سے قریب تر ہوں اور ان کے حقیقت ومجاز کی تعیین نہ ہوئی ہوا ور اجماع امت سے فیصلہ نہ ہوا ہو، چنانچہ ''في مالم يجتمع عليه الامة'' کے الفاظ کی صراحت موجود ہے۔

(حیات جاوید: ۸۶۷، ۸۶۸)

لیکن حالی کو تو جدید دور میں سرسید کے جاری کردہ اصولوں کی توجیہ کرکے یہ دکھلانا ہے کہ ان اصولوں کی تشجیع وتحریک اکابر وسلف کے ہاں بھی موجود ہے۔ یہ دوسرا لبس وخلط ہے۔ پہلا وہ تھا کہ مجموعی حیثیت سے سلف کا طبقہ دائرۂ اصلاحات پر نہ قابو پا سکا اور نہ بسببِ خوف انجام دے سکا۔ دوسرا خلط یہ ہے کہ یہ سرسید کی شان استنباط یہی ہے کہ سلف کے اقتباسات میں پائے جانے والے اشاروں سے سیدوالا گہر اپنے اصول اخذ کر لیتے ہیں۔

حیاتِ جاوید وغیرہ کے حوالہ سے سرسید کی اصلاحی کاوشوں کے بعض اصولی نمونے ذکر کرنے سے ہمارا مقصود فقط یہ دکھلانا ہے کہ، اصل میں چند اصول اور بعض مسائل سرسید کے ذہن میں تھے، جن کے پیش نظر انہوں نے قوم کے مذہبی خیالات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور انہی اصول ومسائل کے تناظر میں خطبات احمدیہ لکھی۔

جب سر ولیم میور کی کتاب، لائف آف محمد چار جلدوں میں چھپ کر ہندوستان میں پہنچی جس کی نسبت

بقول سرسید ''عیسائیوں میں مشہور تھا کہ اس نے اسلام کے استیصال میں تسمہ لگا نہیں رکھا۔'' اور بقول حالی ہندوستان میں بعض مفکر، اس کی نسبت نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ'' اسلام پر حملے ہورہے ہیں اور مسلمانوں کو مطلق خبر نہیں''۔ (حیات جاوید:ص ۱۴۱۷) سرسید کے سفرِ ولایت کا ایک محرک یہی جوش وولولہ بتلایا جاتا ہے، جیسا کہ حالی نے صراحت کی ہے کہ'' سرسید کا سب سے زیادہ ضروری اور اہم مقصد ولایت کے سفر سے ایک ایسی کتاب کا لکھنا اور انگریزی میں اس کا ترجمہ کرا کر شائع کرنا تھا، جس سے اسلام کی اصلیت عیسائی قوموں پر ظاہر ہو، عیسائیوں کی غلط فہمیاں، جو اسلام کی نسبت قدیم سے چلی آئی ہیں، وہ زائل ہوں اور جو غلطیاں اکثر عیسائی مصنفوں نے اور خاص کر سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد میں کی ہیں (جو) صرف عیسائیوں کو اسلام کی طرف سے گمراہ کرنے والی نہ تھیں؛ بل کہ انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں کو بھی اسلام کی طرف سے شک میں ڈالنے والی تھیں۔ (حیات جاوید:ص ۱۶۰)

اور ولایت سے بھیجے گئے ایک خط میں خود سرسید احمد خان نواب الحسن الملک کو لکھتے ہیں: اُس سے بھی اِسی حمایت، حمیت اور ولولہ کا پتہ چلتا ہے'' سر ولیم صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں، اس نے دل کو جلادیا اور اس کی نا انصافیاں اور تعصّبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا، اور مصمم ارادہ کیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا، کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ ایک اور خط میں لکھتے ہیں:'' مواعظ احمدیہ (یعنی خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب وروز مصروف ہوں، اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں، جانا آنا، ملنا جلنا سب بند ہے۔ آپ اس خط کے پہنچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے اور دونوں صاحب کسی مہاجن سے میرے لیے ہزار روپیہ قرض لیجئے، سود اور روپیہ میں ادا کردوں گا...... ہزار روپیہ بھیجنے کے دلی لکھا ہے اور لکھ دیا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب، یہاں تک کہ میرے ظروف مسّی تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیج دو......کیا کہیے اس کتاب کے پیچھے خواب وخور حرام ہے، خدا مدد کرے۔'' (ص ۴۱۹)

مزید لکھتے ہیں کہ'' لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے......ادھر جب حساب دیکھتا ہوں تو جان نکل جاتی ہے کہ الٰہی لکھنا اور چھپوانا تو شروع کر دیا، روپیہ کہاں سے آئے گا۔'' (حیات جاوید:۴۱۹)

''جب ہندوستان سے سرسید کے دوستوں نے کچھ اور چندہ بھیجا ہے تو ان کو بے انتہا تقویت ہوئی چناں چہ اس رسید کے خط میں وہ لکھتے ہیں کہ'' اگر آپ لوگ کچھ مدد نہ کرتے تو زہر کھا کر مر جانے کے سوا کچھ چارہ نہ تھا۔'' (حیات جاوید:ص ۴۲۰)

سرسید کے مذکورہ جذب وسوز کو دیکھ کر، حالی یہ اندازہ لگاتے ہیں: ''معلوم ہوتا ہے کہ سرسید اس کتاب کے لکھنے کو مذہبی فرائض میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری فرض خیال کرتے تھے۔''

لیکن اس مقام پر قاری کو ایک حیرت سی ہوتی ہے کہ، وہ ایک طرف تو سرسید کے اس جذبہ کا مطالعہ کرتا ہے، دوسری طرف وہ ان واقعات کو پڑھ کر عجیب شش وپنج میں پڑ کر رہ جاتا ہے، کیوں کہ سرسید کے ذاتی حالات کو دیکھتے ہوئے خیال یہ ہوتا ہے کہ ولایت جانے سے پہلے سرسید احمد خاں میں اتنی استطاعت ضرور رہی ہوگی کہ، وہ حج بیت اللہ کے لیے سفر کر سکیں؛ لیکن مکہ مکرمہ جانے کے بجائے انہوں نے لندن کا سفر کیا، حالات پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے دو محرک تھے، ایک تو مسلمانوں کی دنیوی ترقی کے لیے لندن سے تجربہ حاصل کرنا، دوسرے حالی کی توجیہ کے مطابق ''جب انہوں نے دیکھا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہندوستان کے تمام اسلامی کتب خانے برباد ہوگئے ہیں اور جن کتابوں کی اس مضمون کے لیے ضرورت ہے وہ یہاں دستیاب نہیں ہوسکتیں، تو ان کو ولایت جانے کا خیال ہوا'' معاملہ کچھ ہی رہا ہو، لیکن عمل حج کا ترک یہ ایک سخت اور خطرناک بات تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے سرسید پر سخت اعتراض ہوا۔ خیر اعتراض ہوا تو ہوا، ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ سر دست ہم کو اس سے بحث نہیں، ہم ان کی نیت پر شبہ نہیں کرتے، البتہ یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ، اگر وہ مخلص تھے، تو اپنے کام میں لگے رہنا کافی تھا، نہ کہ فریضہ اسلامی اور شعار اسلامی کی تضحیک کرنا، جیسا کہ انہوں نے کیا، انہوں نے فریضہ اسلامی کی جس طرح تضحیک کی، وہ تکلیف دہ تھی اور فرمانِ رسول اور ہدایاتِ رسول کے ساتھ صریح معارضہ بھی تھا۔ مولوی مہدی علی خان کو بھیجے گئے ایک خط میں لکھتے ہیں: ''اگر میری یہ کتاب تیار ہوگئی تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر سمجھوں گا، خدا قبول کرے۔'' (حیات جاوید: ص۴۲۱)

یہ حقیقت ہے اُن کی سیرتِ نبوی کے لیے کی گئی خدمت اور جاں نثاری کی، کہ منصوص حکم شریعت کی علت غائی اپنی رائے سے تجویز کر لی، پھر اس حکم خداوندی کے مقابلہ میں خود ساختہ مصلحت آجائے تو اسے ترجیح دیتے ہیں اور اس شرعی حکم کو خود اپنی ہی رائے سے کالعدم قرار دے لیتے ہیں، سرسید کے الفاظ یہاں بھی اسی رجحان کو ظاہر کر رہے ہیں، کالج کے چندے کے متعلق سود اور لاٹری کے لیے بھی ایسی ہی بات ان کے لیے ڈھال بن گئی کہ جب ہم خود اپنے لیے بہت سے گناہ کرتے ہیں تو قوم کی ہمدردی کی خاطر ایک گناہ میں کیا حرج ہے، سرسید کے ہاں یہی قومی ہمدردی تھی، جس کا سبق یورپ کے ریفارمروں سے سکھایا گیا تھا، جس کے تحت شبلی بھی فریضہ قربانی ادا کرنے کی جگہ پر جنگ بلقان کے مجروحین کی امداد کے لیے روپئے بھیجنے کی سفارش کرنا مفید سمجھتے تھے۔

سرسید کی زندگی تو جو کچھ بھی تھی وہ تھی، وہ اپنی کوئی حالت ڈھکی چھپی نہیں رکھتے تھے، لیکن سرسید کے لیے حالی کی توجیہ، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، لکھتے ہیں'' بلاشبہ وہ آخر عمر میں بسبب فربہی اور کبر سنی نماز روزے کے پابند نہ رہے تھے لیکن اپنے قصور کا اعتراف کرتے تھے، جس کی نسبت کہا گیا ہے'**الاعتراف یهدم الاقتراف**'' حج اور زکوۃ کی ان میں کبھی استطاعت نہیں ہوئی اور قرض روپیہ لے کر جس طرح کہ انہوں نے لندن کا سفر کیا اس طرح سفر کرنے کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔'' (ص۵۲۴)

اب ذاتی احوال میں کوئی کیا پڑے، ورنہ خود حالی نے اسی کتاب میں سرسید کی جس استطاعت کا ذکر کیا ہے وہ ایک فرد نہیں بلکہ افراد کے لیے کافی تھی، لیکن بات وہی ہے کہ جس خدمت کی دھن تھی اس کے آگے وہ تمام فرائضِ اسلام اور ضروریاتِ دین سب کو ہیچ سمجھتے تھے۔ محسن الملک نے لکھا ہے کہ، لوگ جس ولایت میں جا کر ''تماشہ گاہ، تھیٹر، پارک، میوزیم اور عمارات کی سیر کرتے ہیں اور یہ حامی دین اسلام کتب خانہ میں بیٹھا ہوا خطبات احمدیہ کی تصنیف میں منہمک تھا۔'' محسن الملک کی یہ بات بالکل درست ہے، بجز ایک لفظ کے اور وہ ہے حمایتِ دین اسلام۔ سرسید کو حامیِ دین اسلام کے بجائے حامیِ قوانینِ فطرت کہنا چاہیے، یورپ کے اصولوں پر مبنی ''فطری مذہب'' کی حمایت انہوں نے بیشک کی، لیکن ایک بہت بڑا سوال قوم کے سامنے چھوڑ گئے اور وہ سوال یہ ہے کہ، سرسید کی اس کاوش نے قوم کو مذہبی تحفہ کس قسم کا عطا کیا ہے؟ محسن الملک کی سرسید کے ساتھ معاونت، منت کشی کی ہم قدر کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی سرسید کے ذریعہ اسلام کو مذہب من حیث المذہب کیا منفعت حاصل ہوئی اور خطبات احمدیہ میں سرسید نے کیا کیا کچھ لکھ رکھا ہے۔ اس سوال کا حق بھی رکھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ، جب بھی اس راز سے پردہ اٹھے گا، اور سوال کا جواب سامنے آئے گا، تو نظر یہ آئے گا کہ، اسلامی عقائد کے باب میں مستشرقین اور اہلِ سائنس یا فلاسفہ کی طرف سے، جو اعتراضات کیے جاتے تھے، اب ان کے جواب کے دو طریقے ہو گئے، ''ایک طریق وہ جو علماء نے ہمیشہ سے اختیار کیا کہ، جہاں (معارض ومزاحم فلسفہ کا کوئی۔ف) مسئلہ عقلی قطعی ہو، وہاں عقائد کی عدمِ مخالفت ثابت کر دی اور جہاں قطعی نہ ہو وہاں ان (مستشرقین واہلِ سائنس۔ ف) سے برہان کا مطالبہ کیا اور جہاں (معارض مسئلہ۔ف) نصِّ قطعی غیر محتمل التاویل کے خلاف ہو، اس کے بطلان کا دعویٰ کر کے دلیل سے ابطال کر دیا''۔ ''دوسرا طریقہ وہ جو سید صاحب علی گڑھی نے اختیار کیا کہ، عقائد ہی میں تبدیلی کر دی'' پھر ان کو فلسفہ جدیدہ سائنس اور مغرب کے اصولِ فطرت کے مطابق دکھا دیا۔''

یہ تو کتب خانہ لندن سے حمایتِ اسلام کی حکایت پڑھنے والے قاری کے خلجان کا ازالہ تھا اور اس کے ساتھ ہی مبنی بر حقیقت ایک لطیفہ بھی پیش آیا۔ سرسید نے خود یہ روایت کی ہے کہ سر ولیم میور نے جن کے خلاف یہ کتاب لکھی گئی تھی "جس وقت خطبات احمدیہ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو یہ کہا: "میں نے سید احمد کے اسلام پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ اس اسلام پر اعتراض کئے ہیں جس کو تمام دنیا کے مسلمان مانتے چلے آئے ہیں۔" (حیات جاوید:۴۶۶)

اور واقعہ یہی ہے کہ موجودہ احوال میں مقتضیاتِ وقت کے تحت اس "فطری مذہب" کے حامی نے جہاد، حج، طلاق، حرمتِ ربا، معراج، بہشت ودوزخ وغیرہ امور میں کہیں علت ومصلحت ڈھونڈ کر، کہیں تشبیہ واستعارہ تلاش کر کے اور کہیں مجاز پر محمول کر کے تمام دینِ اسلام کو خدا کی اس کتاب کے موافق کر کے چھوڑا ہے، جس کا نام ان کی اصطلاح میں صحیفۂ فطرت ہے۔ جس کے مسائل کا نام سائنس اور مغربی تمدنی طرقِ مناہج ہے، اور جس کے اصولِ موضوعہ قوانینِ فطرت کہلاتے ہیں۔ اب ہم خطباتِ احمدیہ کے مشمولات ذکر کرتے ہیں۔

خطباتِ احمدیہ کا خلاصہ:

خطبات احمدیہ کے مضامین کا جو خلاصہ حالی نے پیش کیا ہے اسی سے اخذ کر کے اس کی صرف وہ جھلک ہم دکھلانا چاہتے ہیں جس سے سرسید کی فکر نبوت محمدیہ اور سیرت کے باب میں سامنے آجائے۔

(۱) کتاب کے پہلے خطبہ میں عرب کا نہایت مفصل تاریخی جغرافیہ بیان کیا گیا ہے جو ان مباحث کے لیے ایک تمہید ہے کہ مثلاً جبل فاران بقول اہل اسلام جبال عرب میں سے ہے یا بقول سر ولم میور کے جبال شام میں۔

(۲) دوسرے خطبہ میں عرب جاہلیت کی رسوم وعادات، خیالات وعقائد ذکر کئے گئے ہیں، تاکہ یہ اندازہ کرنے کا موقع ملے کہ اسلام سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی اور اسلام کے بعد ان کے اخلاق وعادات اور عقائد وخیالات کس درجہ تک تبدیل ہو گئے۔

(۳) تیسرے خطبہ میں اسلام سے پہلے رواج پائے ہوئے ادیان مختلفہ کا بیان ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ "اسلام ان تمام ادیان میں کون سے دین سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ یعنی تقابلی مطالعہ کے موجودہ رجحان کے تحت یہ گفتگو ہے، جس میں مضمون نگار یا مقالہ نویس کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اسلام نے عرب کے مذاہب مذکورہ میں کیا کیا اصلاحیں کیں؟ کن باتوں کو قائم رکھا اور کن امور میں ان سے مخالفت کی" (ص۴۴۲، ۴۴۳)

(۴)اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے۔

یادرہے کہ سرسید احمد کے اسلام پر سر ولیم میور کو اعتراض نہیں تھا۔

(الف) انسان کی معاشرت کو پہنچنے والے فوائد بیان کئے اور اس کے ثبوت میں عیسائی مصنفوں کے اقوال جنہوں نے انسان کے حق میں مذہب اسلام کے مفید ہونے کی بنسبت شہادتیں دی ہیں۔

سرسید کے نزدیک مذہبی عوامل سے زیادہ عمرانی عوامل اس باب میں مؤثر ہوا کرتے ہیں۔

(ب) ان عیسائی مصنفوں کی رائے کی تردید کی ہے، جنہوں نے اسلام کو نوع انسانی کی معاشرت کے حق میں مضر بتایا ہے، اور اسلام کا مقابلہ حسن معاشرت کے لحاظ سے عیسائی مذہب کے ساتھ کیا ہے۔

(ج) ان فائدوں کا بیان ہے جو یہودی اور عیسائی دونوں مذہبوں کو بلا اشتراک اسلام کی بدولت حاصل ہوئے ہیں: چناں چہ ''اسلام نے ان معصوم نبیوں اور خدا پرست اور پاک خصلت بزرگوں کو ان تہمتوں سے بچایا اور جو اتہام یہودیوں اور عیسائیوں نے ان پر لگائے تھے ان کو دفع کیا۔(۴۴، ۴۴۵)

(۵) پانچویں خطبہ میں ''مسلمانوں کی مذہبی کتابوں یعنی کتب حدیث سیر، تفاسیر اور کتب فقہ کی تصنیف کا منشاء غرض اور ڈھنگ بیان کیا ہے۔''

(۶) چھٹا خطبہ مذہب اسلام کی روایت پر لکھا گیا ہے، جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے، کہ ''دین اسلام صرف صحیح روایتوں میں منحصر ہیں جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتی ہیں نہ دیگر دنیوی امور سے۔'' (حیاتِ جاوید: ص ۴۵۰)

مذکورہ دونوں خطبوں کے متعلق جناب حالی تحریر فرماتے ہیں: ''یہ دونوں خطبے ایسے ہیں جو اسلام کی مذہبی کتابوں اور روایتوں پر ایسی روشنی ڈالتے ہیں جس کے اجالے میں کوئی غیر مذہب مصنف بشرطیکہ اس نے آنکھیں بند نہ کر لی ہوں ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔'' (ایضًا: ص ۴۵۰، ۴۵۱)

دراصل ان دونوں خطبوں میں سرسید نے احکام معاملات ومعاشرت کو منصب نبوت سے خارج قرار دیکر انسان کو تمدنی امور اور معاملاتی ومعاشرتی چیزوں میں آزاد ومطلق العنان قرار دیا ہے اور عمل کو اس کی پسند وناپسند اور زمانہ کے دستور ورواج پر موقوف رکھا ہے۔ ان سب میں سرسید کے نزدیک فطرتِ انسانی کے موافق ہونا، اصل الاصول ہے، فطرتِ انسانی پر محققانہ کلام کے لیے ملاحظہ کرنا چاہیے تقریر دل پذیر از مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۹۵ تا ۹۹، ۱۴۳ تا ۱۴۵ نیز امداد الفتاوی جلد ۶ ص ۱۴۲۔

(۷) ساتواں خطبہ: سورتوں اور آیتوں کی ترتیب، اس کی مختلف قرأتیں، آیات، ناسخ ومنسوخ کی بحث سے متعلق ہے۔ سرسید آیات واحکامِ قرآن میں نسخ کے قائل نہیں۔

(۸) آٹھواں خطبہ میں خانہ کعبہ کے حالات اور اس کی تاریخی اور جغرافی تحقیقات کی ہے، تاکہ ولیم میور کے اس اعتراض کا جواب دیا جاسکے کہ یقطان، جس کا ذکر توریت میں آیا ہے اہل عرب کا اس کی اولاد میں ہونا ثابت نہیں۔ (ص۴۵۱،۴۵۲)

اور ولیم میور نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ حجر اسود کی تعظیم جو اسلام میں ہے، وہ بت پرستوں کی رسم ہے، لیکن اپنے قارئین سے درخواست ہے کہ اس اعتراض کے جواب کے لیے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب قبلہ نما کا مطالعہ کرلیں، انشاءاللہ کافی ہوجائے گا، کیونکہ ملحدوں کا اور عیسائیوں وہندوؤں کا سب کا جواب اس میں موجود ہے۔

اسی طرح ولیم میور نے عرفات وغیرہ شعائرِ اسلام کو بت پرستوں کی طرف منسوب کیا تھا، محاسنِ اسلام میں اس قسم کے شبہات کا جواب کافی اور اصولی موجود ہے۔ اگرچہ سرسید کے ذریعہ دیئے گئے جواب کے بعض اجزا نہایت پُر لطف ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس بلا کی تعریض اور طنز ہوتا ہے کہ جس پر ہوتا ہے، وہ اگر پڑھے تو رونے اور ہنسنے کا فیصلہ، اس کے لیے دشوار ہوجائے، مثلاً ولیم میور کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں" معلوم نہیں سر ولیم میور نے جبل عرفات کو کیا سمجھا جو اس کی نسبت کہا کہ اس کو ابراہیمی رسوم یا حالات سے کچھ تعلق نہیں۔" (۴۵۳،۴۵۴)

پھر عرفات میں ذکر اللہ اور منی میں قربانی کا حضرت ابراہیم سے ربط قائم کیا ہے، لیکن کچھ معلوم نہیں کہ کہاں گڑ بڑ کریں اور کس صحیح بات کو رد کردیں، اور کس باطل خیال کی حمایت کردیں، دوسری طرف ہر شخص میں اتنی استعداد اور صلاحیت نہیں ہوتی کہ" خذ ما صفیٰ ودع ما کدر" کے اصول پر صحت کو سقم سے اور حق کو باطل سے ممتاز کر سکے۔ اور پھر صحیح بات بھی، اگر اہلِ باطل کے قلم سے نکلے تو اس میں ظلمت ہوتی ہے، اس لیے بلا ضرورت ان تصنیفات کو دیکھنا، بہر حال مضر ہے۔"ف"

(۹) نواں خطبہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی تحقیقات پر ہے۔ (ص۴۵۵)

(۱۰) دسواں خطبہ: ان بشارتوں کے بیان میں ہے جو توریت اور انجیل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی بابت مذکور ہیں۔ (ص۴۶۰)

(۱۱) گیارہویں خطبہ مین معراج اور شق صدر کی حقیقت کے حوالہ سے معراج کو رویا پر محمول کیا ہے، اور رُوات میں اختلافات وتضادات دکھلا کر ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔

اس طرح معراج جسمانی کا انکار کر کے حالی کے الفاظ میں ''عیسائیوں کے طعن کا جواب الزامی اور تحقیقی دونوں طرح کا دیا ہے۔

حالاں کہ الزامی کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے، جب روایات کو بے اعتبار بتایا اور معراج جسمانی کا خود بھی انکار کیا۔

(۱۲) بارہواں خطبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بارہ برس کی عمر تک کا حال بیان کیا ہے اور اہل سیر کی جن روایات پر سر ولیم میور نے تعریضیں کی تھیں، سرسید نے ان روایات کی تضعیف کر کے انہیں قبول نہیں کیا۔ (حیات جاوید:ص۴۶۲)

خطباتِ احمدیہ کے اس مختصر تعارف کے بعد سرسید نے جن خیالات وافکار کے تحت یہ خطبات ترتیب دیئے ہیں انہیں ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے بھی بعض خیالات کا اظہار تو خطبات میں ہوا ہے اور بعض کا دوسری تحریروں میں۔ اور وہ درج ذیل ہیں:

خطباتِ احمدیہ میں معاد کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے جیسے بعث ونشر، حساب وکتاب، میزان، صراط، جنت ودوزخ وغیرہ وغیرہ سرسید کے نزدیک ''وہ سب مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر۔''

ملائک یا ملائکہ کے الفاظ جو قرآن میں وارد ہوئے ہیں، ان سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ کوئی جدا مخلوق انسان سے بالاتر ہے، بلکہ خدائے تعالیٰ نے جو مختلف قوی اپنی قدرتِ کاملہ سے مادہ میں ودیعت کئے ہیں، جیسے پہاڑوں کی صلابت، پانی کا سیلان، درختوں کا نمو برق کی قوتِ جذب دفع وامثال ذلک، انہی کو ملائک یا ملائکہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آدم اور ملائکہ اور ابلیس کا قصہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے، یہ کسی واقعہ کی خبر نہیں ہے بلکہ یہ ایک تمثیل ہے **الذین یعرفونه کما یعرفون ابناء هم** میں ضمیر، تحویل قبلہ کے معاملہ کی طرف پھرتی ہے۔

آیت یا آیاتِ بینات کے الفاظ جو قرآن مجید میں جا بجا آئے ہیں، ان سے وہ احکام یا مواعظ ونصائح مراد ہیں جو خدا تعالیٰ نے بذریعۂ وحی کے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں، نہ کہ معجزات جیسا کہ عمومًا علماء اسلام نے بیان کیا ہے۔

معجزہ کا ثبوت نہیں اور نہ ہی وہ دلیل نبوت ہے، قرآن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزہ کے صادر ہونے کا ذکر نہیں۔ (حیات جاوید:۵۳۲)

نسخ سے مراد شرائع سابقہ کا قرآن سے منسوخ کرنا ہے نہ کہ قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت کو منسوخ کرنا۔ پس عیسائیوں کا اعتراض جو کہ وہ مسلمانوں کے مسئلہ نسخ پر کرتے ہیں، قرآن مجید پر وارد نہیں ہوتا۔

(حیات جاوید:۱۵۷،۵۱۸)

سورہ فیل (الم ترکیف) میں جن الفاظ سے اصحاب فیل پر ابابیل کا کنکریاں پھینکنا مراد لیا جاتا وہ در حقیقت مرض چیچک سے استعارہ ہے جس کی نسبت تاریخ سے ثابت ہے کہ پہلے مرض چیچک عرب میں اسی سال نمودار ہوا ہے جب کہ ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیائے سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت ہوتے ہیں، جیسے ید بیضا، عصی کا اژدہا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلی کا ہونا، گوسالہ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا، من وسلوی کا اترنا، یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ۔ ان کے متعلق حالی کہتے ہیں کہ ان کی تفسیر میں، جو کچھ سر سید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔'' یعنی ان سب واقعات کے خرقِ عادت ہونے کا انکار کیا اور کھینچ تان کر حتی کہ معنوی تحریف تک کر کے اسباب عادیہ کے تحت ہی بیان کیا۔

اسی طرح'' قرآن میں جابجا قدیم قوموں میں بدیاں اور بداخلاقیاں پھیل جانے کے بعد اُن پر طرح طرح کے عذاب نازل ہونا اور کسی قوم کو آندھی اور طوفان سے، کسی کو زلزلہ سے، کسی کوٹڈیوں اور دیگر حشرات کے مسلط کرنے سے اور کسی کو کسی عذاب سے اور کسی کو کسی عذاب سے برباد کرنا بیان ہوا ہے'' ان کے متعلق سر سید کہتے ہیں کہ، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ درحقیقت اُن کے گناہ اور معاصی عذاب نازل ہونے کا باعث ہوئے تھے بلکہ ابتدائے آفرینش سے یہ خیال تمام قوموں میں چلا آتا تھا کہ جو ہولناک حادثے دنیا میں واقع ہوتے ہیں وہ انسان کے گناہوں کی کثرت کے سبب واقع ہوتے ہیں اور انبیا کا کام یہ ہے کہ جن خیالات پر لوگ مجبول ہوئے ہیں اگر وہ خیالات مقاصدِ نبوت کے منافی نہیں ہیں بلکہ اُن کی تائید کرنے والے ہیں تو وہ اُن خیالات کی صحت یا غلطی سے کچھ تعرض نہیں کرتے بلکہ انہیں خیالات کے موافق انسان سے خطاب کرتے ہیں۔

اور جس طرح تمام ملکات اور قوائے فطری بتدریج ترقی کرتے ہیں اسی طرح ملکۂ نبوت بتدریج ترقی پاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ کمال کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو اُس سے وہ ظہور میں آتا ہے جو اس کا مقتضا ہوتا ہے اور جس کو عرف عام میں بعثت سے تعبیر کرتے ہیں، اسی لیے جو وحی اُس پر نازل ہوتی ہے وہ کسی ایلچی یا قاصد (یعنی فرشتہ) کی وساطت سے نازل نہیں ہوتی بلکہ خود بخود ایک چیز اُسی کے دل سے اُٹھتی ہے اور اُسی پر گرتی ہے۔

قرآن سے جنات کا ایسا وجود جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہوئی آگ کے شعلہ سے پیدا ہوئے ہیں اور اُن میں مرد وعورت دونوں ہوتے ہیں، جس شکل میں چاہتے ہیں ظاہر ہو سکتے ہیں، آدمی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ، ثابت نہیں ہوتا۔ نیز یہ کہ قرآن میں جن اور جنّہ کے الفاظ سے چھپے ہوئے یا پہاڑی اور صحرائی لوگ مراد ہیں، نہ کہ وہمی مخلوق۔ (۵۳۳)

سرسید نے جن اصولوں کے تحت اپنے مذہبی ریفارمیشن کی مہم چھیڑی، ان میں سے بعض یہ ہیں: [1]

''کوئی امر عادتِ الٰہی یا قانونِ طبعی کے خلاف کبھی وقوع میں نہیں آتا'' چنانچہ سرسید نے ایک اصول یہ بتایا کہ **الاسلام هو الفطرة و الفطرة هو الاسلام** یعنی اسلام ہی فطرت ہے اور فطرت ہی اسلام ہے۔

Quran is the word of God & Science in the work of God

سرسید کا کہنا تھا کہ جو تفسیر وتصریح فطرت یا نیچر کے مسلمہ ومقررہ قوانین وقواعد کے خلاف ہوگی وہ قابل تسلیم اور لائقِ اعتناء نہیں، کیونکہ اس صورت میں فعل الٰہی اور کلام الٰہی میں اختلاف وتضاد نظر آئے گا جو ناممکن ہے۔

سرسید کا ذکر کردہ یہ اصول ان کی تمام تحریری کاوشوں میں اصل الاصول کا درجہ رکھتا ہے، ہندوستان میں البتہ نیچر کا یہ اصول سرسید کے حوالہ سے جانا جاتا ہے لیکن جہاں تک مغربی معاشرہ کی بات ہے تو یہ اصولِ فطرت مغرب میں پہلے ہی سے مقبول تھا اور علمی تحقیقات میں نیم ملحد سائنسدانوں کے حوالہ سے عقائد سے لیکر عمرانی عوامل تک میں اس کا اطلاق اور انطباق کیا جاتا تھا چنانچہ سرسید سے دوصد سال سے بھی پہلے یعنی ۱۶۱۵ء میں دوربین کے موجد گلیلیو کا یہ اقتباس اس کا ثبوت ہے کہ ''مقدس کتابوں اور فطرت دونوں کا سرچشمہ کلمہ ربانی ہے فطرت غیر متغیر اور اٹل ہے اور اپنے قوانین سے تجاوز نہیں کرتی۔'' وہ مزید لکھتا ہے کہ ''فطری نتائج کو کبھی بھی الہامی کتابوں کی سند سے رد نہیں کرنا چاہیے۔ خدا الہامی کتابوں کے نسبت فطرت کے عوامل سے کوئی کم ظاہر نہیں ہوتا۔''

(نظریہ فطرت: ص ۱۵۸، ۱۵۹)

---

[1] سرسید کے اصولوں کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمایئے! ''تصفیۃ العقائد'' اس میں سرسید نے پندرہ اصول ذکر کیے ہیں، ان اصولوں کا مولانا نانوتویؒ نے جواب لکھا ہے اور زیغ ضلال کو ظاہر فرمادیا ہے۔

سرسید کا یہ نظریہ کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور صحیفہ فطرت خدا کا کام ہے اور خدا کا کام خدا کے کلام کے مخالف نہیں ہوسکتا، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہندوستان میں بہت بعد میں رواج پایا جب کہ مغرب میں یہ نظریہ بہت پہلے ہی سے بتدریج قبولِ عام حاصل کر چکا تھا۔ اور متذکرہ بالا سائنس زدہ معاشرہ میں یہ محاورہ زباں زد تھا کہ خدا کی دو کتابیں ہیں ایک انجیل اور دوسری فطرت۔ اسی لیے یہ باور کرلیا گیا تھا کہ، انجیل کے مطالعہ کی طرح فطرت کا مطالعہ بھی دینی فریضہ ہے۔ پھر مغرب میں کچھ لوگ اس سے بھی آگے گئے اور کہنے لگے کہ انجیل کو فطرت کے مطالعہ کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ (جدیدیت: ص ۳۶)

یہی نظریہ گلیلیو اور بعد کے سائنسدانوں کا تھا، اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ یہی نظریہ تھا جس کے تحت سرسید نے اپنی تصنیفات وتحقیقات اور اصلاحات کا سلسلہ قائم کیا۔ سرسید نے صرف اتنا تغیر کیا کہ انجیل کے نام کی جگہ قرآن کا نام رکھ دیا، لیکن مغربی مفکرین تو اس اصول کو اختیار کرنے کے ساتھ ہی روحانی حقائق ترک کر چکے تھے اور ما بعد الطبیعات اور معادات سے متعلق عقائد وخیالات سے خود کو آزاد کر چکے تھے، سرسید کی نظریہ شروع میں، شاید اس حقیقت پر نہ پڑی ہو، اس لیے مذکورہ اصول میں مغربیوں کی پیروی کا وہ افسوس ناک نتیجہ نکلا جو موصوف کی تحریروں میں ظاہر ہوا۔ ڈاکٹر ظفر حسن نے اپنی کتاب سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ مغربی مفکرین نے روحانی حقائق کو ۱۷ ارویں صدی کے بعد نظر انداز کرنا شروع کیا جس کے نتیجہ میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی کا نظریہ فطرت پیدا ہوا، جسے سرسید نے حقیقت عظمی سمجھ کر قبول کرلیا۔

(سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت: ص ۱۲۵)

پھر غلطی یہ بھی سرزد ہوئی کہ قرار واقعی آگاہی نہ رکھنے کے باوجود ہر چیز پر محاکمہ کا دعوی کرنا شروع کیا اور دین کے مستند شارحین کے اقوال کے بجائے اپنی ذاتی رائے کے مطابق تشریح کرنی شروع کردی۔

سرسید کے ذریعہ لکھی گئی ''خطبات احمدیہ کی جو خصوصیات ہیں وہ یہ ہیں (۱) نبی کی تعلیمات واخلاق کا دوسرے انبیاء کی تعلیمات واخلاق سے تقابل کیا گیا ہے۔ (۲) اسلام پر اعتراضات کا رد فطرت کے اصولوں کے تحت کیا گیا ہے (۳) غیبیات ومعجزات کی عقلی توجیہات بیان کی گئیں ہیں۔

پھر ان چیزوں میں جو انہوں نے طرز اختیار کیا، وہ یہ کہ اجماع کے مقابلہ میں تفرد کو اصول بنا بیٹھے جس کی وجہ سے درج ذیل غلطیاں سرزد ہوئیں۔

(۱) وحی کی حقیقت بیان کرنے میں غلطی (۲) معجزہ کی حقیقت بیان کرنے میں غلطی (۳) معجزہ کو دلیل نبوت ماننے سے انکار (۴) نبوی احکام کو صرف امور معاد سے متعلق قرار دیا اور امور معاش میں خود کو آزاد سمجھا (۵) تمدنی اور معاشی احکام کو ہر زمانہ میں قابل تبدیل قرار دیا (۶) احکام کے علل غائی اپنی رائے سے تراشا۔

پھر عقل ونقل میں تعارض کے باب میں سرسید نے جہاں کہیں سائنس کی معلومات اور نبوی احکام میں اختلاف پایا، وہاں معتزلہ کے طریقہ کے مطابق تاویل بعید سے کام لیا ہے اور یہ تاویل بعید جو بعض اوقات تحریف کی سرحد سے مل جاتی ہے، کی ضرورت قرآن میں زیادہ پیش آئی ہے ورنہ حدیث میں تو اس کی صحت سے ہی انکار، عام طور پر کیا گیا ہے۔

جن لوگوں نے خطباتِ احمدیہ کا موازنہ جمہور اہلِ حق کی فکر سے نہیں کیا، انہوں نے اس کو سراہا ہے۔ چنانچہ پروفیسر احمد سعید صاحب [1] لکھتے ہیں: ''خطباتِ احمدیہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر ایک مستند کتاب ہے......تمام نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بے بہا تصنیف سرسید کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔'' لیکن اس پر مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے درست تبصرہ فرمایا کہ ''خطباتِ احمدیہ جمہور امت کے نقطۂ نظر سے انتہائی غیر مستند کتاب ہے، جس میں اہلِ مغرب کے اعتراض سے خواہ مخواہ مرعوب ہوکر قرآن وسنت کی نصوص میں ایسی رکیک تاویلات سے کام لیا گیا ہے، جو تحریف کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔'' (تبصرہ: ص ۲۱۲ مکتبہ دارالسعادہ سہارن پور)

سرسید کے افکار کی اشاعت تہذیب الاخلاق میں کثرت سے ہوئی ہے، اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں: ''تہذیب الاخلاق کے بیشتر مضامین میں اسلام کا حُلیہ اس طرح بگاڑ دیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کے بجائے ایک ایسا ڈھیلا ڈھالا جامہ بن گیا جو دنیا کے ہر باطل سے باطل خیال پر فٹ ہوسکتا ہو۔'' (ایضاً: ۲۱۳)

(جاری......)

---

[1] پروفیسر احمد سعید ''ذکر مجذوب'' کے مصنف ہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ پر ان کی تحقیقات نہایت وقیع ہیں۔ حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے خلفاء کے احوال اور حضرتؒ سے ان خلفاء کے تعلق کی نوعیت اور اکتساب فیض کے منہج اور مولانا تھانویؒ کے طریقہ اصلاح پر مشتمل بصائر ومعارف اور فن تصوف پر مشتمل حقائق کا مجموعہ ''بزم اشرف کے چراغ'' کے نام سے موصوف ہی کے قلم کے مرتب ہوا ہے۔ پھر یہ کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ خطبات احمدیہ کو وہ مستند قرار دیتے ہیں۔ کیا کہئے کہ اس دور کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہی اہل قلم کا خلط ولبس ہے کہ ''ایڈجسٹ'' ہوکر رہنا چاہتے ہیں۔ ''ف''

جامعہ کے شب وروز

امسال کی تیسری مجلس میں جامعہ اکل کوا کے شعبۂ حفظ سے ۱۳۴ خوش نصیب طلباء نے حفظ قرآن مکمل کیا

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر میں حسبِ روایت، جامعہ کے فعال ترین شعبہ، شعبۂ تحفیظ القرآن سے امسال حفظ قرآن کریم مکمل کرنے والے خوش نصیب حفاظ کرام کی تیسری اور آخری مجلس تکمیل حفظِ قرآن مؤرخہ ۴ر ربیع الاول ۱۴۳۵ھ ۶ر جنوری ۲۰۱۴ء بروز پیر صبح ٹھیک ۹ر بجے عظیم الشان مسجد دار القرآن میں حضرت رئیس الجامعہ مولانا غلام محمد وستانوی صاحب مدظلہ العالی کی صدارت اور حضرت نائب رئیس الجامعہ حافظ محمد اسحٰق صاحب وستانوی مدظلہ العالی کی سرپرستی، نیز معزز مہمانان کرام وسرپرستان حفاظ واساتذۂ کرام کی موجودگی میں منعقد ہوئی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی نے تمہیدی کلمات بیان فرمائے، اور حسنِ نظامت سے پروگرام کو تکمیل تک پہونچایا۔ ترتیلا کلام پاک سے مجلس کا آغاز ہوا، اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں نعت پاک کا نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا، بعدازاں ۱۳۴ر خوش نصیب طلباء نے قرآن مقدس کی آخری سورت تلاوت کر کے اپنے آپ کو حاملینِ قرآن کی مقدس جماعت میں شامل کرلیا، الحمد للہ علی ذلک۔ اس طرح امسال حفاظِ جامعہ کی کل تعداد ۴۳۶ ہوئی اس مجلس کی ایک امتیازی خصوصیت یہ رہی کہ ایک ۱۳ سال کا ننھا طالب علم جس کا نام محمد یوسف سپول اوران کے استاذ مولانا علی عبداللہ بھڑ کودرہ ہے مذکورہ طالب علم نے جامعہ میں ناظرہ مکمل کرنے کے بعد صرف ۹۸ر دن کی قلیل مدت میں حفظِ قرآن مکمل کیا، یہ قرآن مقدس کا اعجاز ہے حضرت رئیس جامعہ نے اس خوس نصیب طالبعلم اوراس کے استاذِ محترم کی محنتوں کو خوب سراہااور خوب دعائیں دی۔

اس مبارک ترین عمل کے بعد حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے اپنی بیش بہا پند ونصائح میں حفاظ کرام کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر حافظ قرآن کو وقت کی قدر کرتے ہوئے محنت کرنا چاہئے، اور جامعہ کے ہر حافظ کو بالکل پختہ حافظِ قرآن ہونا چاہئے، اوراس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ حفاظ کرام کو عالم بھی ہونا ضروری ہے اور جامعہ سے عالمیت کی تکمیل کی ترغیب فرمائی تا کہ نظامِ جامعہ سے مناسبت ہو، بعدازاں U.K سے تشریف لائے مہمان مولانا بلال الدین صاحب نے تمام حفاظ کرام کو مبارکباد دیتے ہوئے اپنے اساتذہ ودیگر علماء وبزرگانِ دین

کے ادب اور ان سے محبت کی تلقین کی، اور اس کے بیش بہا فوائد کا ذکر اپنے تجربات کی روشنی میں کیا، نیز اپنے مدرسہ اور U.K کے مسلمانوں کے لیے خصوصی دعا کی درخواست کی، حضرت رئیس الجامعہ نے تمام مرحومین کے لیے مغفرت، بیماروں کے لیے شفایابی، معاونین کے عافیت، اور اساتذہ وطلبہ کے لیے رونق درس وتدریس کی بارگاہِ رب العزت میں رقت آمیز وپرسوز دعا فرمائی۔ آپ ہی کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

جامعہ علی الانہ فارمیسی کالج کا سو فیصدی نتیجہ امتحان:

الحمدللہ جامعہ کے کالجز میں سے ایک کالج علی الانہ فارمیسی کالج بھی ہے، جو مہاراشٹر کے کالجوں میں ایک نمایاں کالج ہے، جہاں کا نتیجۂ امتحان اکثر وبیشتر سو فیصدی رہتا ہے، اور کیوں نہ ہو، جب تعلیمی معیار اعلیٰ ہو، اساتذہ قابل ہوں، طلبہ لائق ہوں، محنت کامل ہو، کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ ہو، طلبہ کی قابلیت کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے؛ تو الحمدللہ ''من جد وجد'' تو ہونا ہی ہے۔ یہ تو دنیا کا نظام ہے، جو محنت کریگا وہ پھل کھائے گا، الحمدللہ جامعہ کے ان کالجز کی تعلیم اور تربیت لائق تحسین ہے۔

ایک نظر نتیجہ پر:

N.M.U نارتھ مہاراشٹر یونیورسٹی کے ذریعہ دسمبر 2013 کے امتحان میں Pharmaceutics کے امتحان میں ۱۰/طلبہ نے شرکت کی، جن کی رہنمائی اور تیاری پروفیسر سید ناظم صاحب نے کی اور کروائی، چنانچہ ۵/طلبہ First Class with Distinaction اور ۵/طلبہ فسٹ کلاس سے کامیاب ہوئے، جس کا نتیجہ سو فیصد رہا ہے۔

Quality Assurmce میں ۱۱/طلبہ نے شرکت کی، جنکی گائیڈنگ ڈاکٹر خان غلام جاوید اور ڈاکٹر عمران جان محمد نے کی، جسکا طلبہ نے مکمل فائدہ اٹھایا، نتیجۂ ۱/طالب علم First Class with Distinaction اور ۱۰/طلبہ فرسٹ کلاس سے پاس ہوئے اور ریزلٹ سو فیصد رہا۔

اللہ جامعہ کالجز کے ذریعہ طلبہ کی قابلیت لیاقت اور انکے حفاظت دین کا کام لیتا رہا۔

یہاں کے طلبہ ایک قابل دنیادار بننے کے ساتھ ساتھ، ایک پکے مسلمان بن کر بھی نکلیں اور قوم وملت کی خدمت کا فریضہ، ثواب آخرت کے امید پر جی جان لگا کر کریں۔

مسلمانان پنجاب مکاتب (اکل کوا) کی حفاظت میں:

آج ہر سو یہ المیہ ہے کہ مسلمان دینی تعلیم سے کوسوں دور ہوتے چلے جار ہے ہیں، باطل نے ایسا مادی جال بچھا رکھا ہے کہ، کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم ہر ایک اس دلدل میں دھنسا چلا جا رہا ہے، چاہ کر بھی مسلمان اس سے بچ نہیں پا رہے ہیں، اسکول کالجز کا عفریت سر چڑھ کر ناچ رہا ہے، کیا والدین اور کیا بچے بس یہی دھن سوار ہے کہ کونسے اسکول میں بچہ پڑھے، کہاں کی تعلیم اچھی ہے (بایں معنیٰ کے وہاں کے سند یافتہ کو اچھی ملازمت مل سکتی ہے)

صبح ہوتے ہی اسکول کی تیاری شام گھر آتے ہیں، تو اسکول کے کاموں کی تکمیل، بس اس طرح سے ان اسلام دشمنوں نے نظام بنا رکھا ہے کہ مسلم بچہ بچپن ہی سے دینی تعلیم تو کیا، دین کے نام سے بھی آشنا نہ ہو، اور وہ اس میں صد فیصد کامیاب ہو چکے ہیں، ایسے ایمان سوز اور مذہب بیزاری دور میں، مسلمان بچوں کے دین کی حفاظت کی فکر، ملت کا ایک اہم فریضہ ہے، کیوں کہ یہی مسلمانوں کے مستقبل ہیں۔

اسی فکر اسی کڑھن کو لیکر رئیس جامعہ نے اپنے مخلصین دوستوں کے ساتھ یہ مہم چھیڑی ہے کہ، ان مکاتب کے ذریعہ ان بچوں کو دین کی تعلیم دی جائے، مسلمان ابھی اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہوا کہ گھنٹہ آدھ گھنٹہ بھی اپنی اولاد اور اپنی آخرت کے لیے نہ نکال سکے۔

الغرض مولانا وستانوی ہندوستان کے طول وعرض میں ہزاروں مکاتب چلا رہے ہیں، جن کے ذریعہ لاکھوں مسلم بچے تعلیم پا رہے ہیں اور بددینی کا ماحول ان علاقوں سے کافی حد تک ختم ہو رہا ہے، اور کیوں نہ ہو! تعلیم ہے، ہی ایسی چیز جو انسان کے افکار و خیالات پر حکومت کرتی ہے، جس طرح اسلام دشمنوں نے تعلیم ہی کے ذریعہ افکار و خیالات بدل دئے، تو آج ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم دینی تعلیم کا ایسا مضبوط نظام چلائیں، جو ہمارے مسلم بچوں، نوجوانوں کے افکار و عقائد کو دینی رکھے۔ اور عوام میں مکاتب اس فریضہ کی تکمیل میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں، اور خواص میں مدارس۔

بہر حال مولانا وستانوی نے دیگر صوبوں کی طرح پنجاب کے دینی قحط زدہ علاقے میں بھی، دینی آبیاری کا کام کیا، اور اب وہاں بھی دینی درخت ثمر آور ہو رہے ہیں۔

اسی سلسلے میں ۲۴/نومبر ۲۰۱۳ء کو وہاں کے دینی ذمہ دار لوگوں نے ایک جلسہ رکھا، جس میں ان طلبا نے بھی حصہ لیا اور جامعہ سے گئے ہوئے وفد نے تمام مکاتب کا جائزہ لیا۔

الحمد للہ علاقہ کے اعتبار سے مکاتب کا اچھا کام ہو رہا ہے، اللہ مولانا سے اور اسی طرح دیگر مفکرین و مخلصین سے حفاظت دین کا خوب خوب کام لے۔

زیر نگرانی : جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر

تعداد مکاتب	۴۰
تعداد طلبہ سال رواں	۳۲۲
تعداد طالبات سال رواں	۳۰۶
کل تعداد	۳۲۸
کل تعداد ناظرہ خواہ سال رواں	۲۱۵
کل تعداد نورانی قاعدہ سال رواں	۲۸۷
کل تعداد پارہ عم	۱۵۲
اب تک ختم قرآن	۴۰۳

کل تحصیل	کل اضلاع	کل مکاتب
پٹیالہ	پٹیالا	۲
(۱) کھمانوں (۲) بسی	فتح گڈھ	۱۳
() چمکور () کھرڈ	روپڑ	۶
() موہالی	موہالی	۶
(۱) قم کلاں (۲)	لدھیانہ	۱۳

☆......☆......☆